ربیع الثانی 1435ھ
فروری 2014ء

ماہنامہ المرشد

الله
رسول
محمد

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ أَخْرِجُوْا
مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ (سنن الترمذی)

حضرت انسؓ حضور نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم کی آگ سے ہر اس شخص کو نکال لو جس نے ایک دن بھی مجھے یاد کیا یا کسی موقع پر میرے ڈر سے میری نافرمانی سے بچ گیا۔

دعا کا حاصل وصول الٰہی ہے، قرب الٰہی ہے۔ دعا ضرور کریں
لیکن دعا کو دعا سمجھیں، دعا کو حکم نہ سمجھیں۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

توہم پرستی، تشویش، شک، غم، بے سکونی، بداعتمادی، عدم تحفظ کا احساس، چھینا جھپٹی، غنڈہ گردی، مار دھاڑ، بے حیائی، بے صبری، دہشت گردی اس ملک کے معاشرے کا شعار بن چکا ہے جو مسلمانوں کا ملک کہلاتا ہے تاریخ کا سفر کریں تو چیزیں ہمیں نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے کے معاشرے میں نظر آتی ہیں۔ جہاں جہالت، بے سکونی، بدامنی اور اقتدار و طاقت کی ہوس نے دوسرے انسانوں کا جینا دوبھر کر رکھا تھا۔ بعثت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد یہی لوگ جو طاقت کے پجاری بھی تھے، ان کے دل میں اتنا درد آ گیا کہ انہیں دوسروں کو آزاد کرانے کی فکر لاحق ہوگئی، جہالت کی جگہ علم نے، لوٹ مار کی جگہ ایثار و قربانی نے، ظلم کی جگہ امن و انصاف نے اور رسومات کی اسیری کی جگہ محبتِ سنت نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام نے لے لی۔ جس شخص نے بھی ایمان لا کر نبی کریم ﷺ کی ایک نگاہ اطہر پا لی یا نبی کریم ﷺ پر اس کی ایک نظر پڑ گئی بے مثال انسان بن گیا۔ صحابہ کرامؓ نے وہی کلمہ پڑھا جو الحمد اللہ! ہمیں بھی نصیب ہے۔ یہی پانچ نمازیں ان پر فرض تھیں جو ہم بھی پڑھتے ہیں۔ پھر ہمارے ساتھ کیا مسئلہ ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی ہماری عملی زندگی میں کچھ نہیں بدلتا۔ صحابہ کرامؓ تو اس وقت بدل گئے تھے جب ابھی نمازیں فرض نہیں ہوئی تھیں، رمضان کا حکم بعد میں آیا، سود بعد میں حرام ہوا، حلال و حرام کی قیود وقتاً فوقتاً نازل ہوئیں لیکن صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیاں کلمہ پڑھتے ہی بدل گئیں۔

فرق کیا تھا؟ فرق یہ تھا کہ صحبت محبت پیغمبر ﷺ سے جو انوارات قلب اطہر رسول اللہ ﷺ سے صحابہؓ کے دلوں میں آئے انہوں نے صحابہؓ کی ظاہری شکل و صورت تو تبدیل نہیں کی لیکن انؓ کی زندگیوں اور کردار کو یکسر بدل دیا۔ آج بھی ہمارا کردار صرف اس وقت بدل سکتا ہے کہ ہم ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کریں جن کے سینے انوارات نبوت کے امین ہیں اور جن کی صحبت آدمی کو انسانیت کی معراج پر پہنچا سکتی ہے جنہیں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ یہی ہمارے مسائل کا حل اور یہی تصوف ہے۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

فروری 2014ء، ربیع الثانی/1435ھ

جلد نمبر 35 / شمارہ نمبر 06

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	3
اداریہ	ابوالاحمدین	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقہ ذکر		7
دعا کا حاصل	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	8
اکرم التفاسیر	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	15
مسائل السلوک	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	23
سوال وجواب	شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان	28
کمال نسبت اویسیہ	نوید اشرف، واہ کینٹ	31
مجسم ذکر (ذکر رسولﷺ)	مولانا محمود خالد، بہاول پور	36
حضرت کعب بن مالکؓ		38
خواتین کا صفحہ		43
بچوں کا صفحہ	رخ خان، لاہور	45
مساعی جمیلہ		47
Translated Speech	Ameer Muhmmad Akram Awan MZ	54
A LIFE ETERNAL CH:20	Abul Ahmadain	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
PH: 042-35180381 , Email: monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph: 0543-562200 , FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَ اِذْ قَالَ رَبُّ..................مَالَا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:30)

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تخلیق آدم سے پہلے اللہ کریم نے فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ، اپنا ایسا بندہ جو میرا حکم نافذ کرنے والا ہو، ایک ایسی مخلوق جو میری پسند کے مطابق زمین پر بسے، پیدا کرنا چاہتا ہوں۔

زمین اگرچہ اپنے حجم کے اعتبار سے دوسرے سیاروں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی مگر اپنی اہمیت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ ہے کہ تمام سیاروں کی توجہات کا مرکز ہے سورج ہو یا چاند، بادل ہو یا ہوا حتیٰ کہ آسمان اور آسمانوں کے رہنے والے بھی اسی کے انتظام میں مصروف ہیں۔ ستارے ہوں یا سیارے سب کی توجہ اسی کی طرف ہے اور یہ ان تمام توجہات کو قبول کر کے طرح طرح کے نتائج مرتب کر رہی ہے۔ یہاں بیک وقت آتش فشاں آگ اُگل رہے ہیں تو برف کے پہاڑ بھی کھڑے ہیں اگر صحراؤں میں ریت اڑتی ہے تو باغوں میں پھول بھی کھلتے ہیں۔ ایک طرف رات چھا رہی ہے تو دوسری طرف روز روشن بھی موجود۔ اگر خشک سالی آتی ہے تو برسات بھی آتی ہے ایک طرف خزاں ہے تو دُوسری جانب بہار بھی ہے، سونے چاندی کے ذخائر ہیں تو جواہرات سے بھی اٹی پڑی ہے۔ ہر طرح کے بیج کو اُگانے کی صلاحیت لئے ہوئے ہے۔ طرح طرح کے پھل دے رہی ہے۔ ادنیٰ کیڑے سے لے کر پہاڑ جیسے جسیم جانوروں کے من بھاتے کھاجے پیش کرتی ہے جہاں اس میں درندے ہیں وہیں ہرنوں کی ڈاریں چوکڑیاں بھرتی ہیں غرضیکہ عرش سے فرش تک جس قدر باقی اجرام ہیں سارے اسی کی طرف متوجہ ہیں اور یہ زمین دراصل ان سب کا حاصل ہے تو اللہ کریم نے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا جو اس کی نیابت کا حق ادا کرے اس کے نظام کو اس طرح چلائے کہ اللہ کی پسند کے مطابق ہو۔

ابوالاحمدین رحمۃ اللہ علیہ

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُونَ (النحل:61)

پس جب ان کا وقت معین آ پہنچے گا تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

ابو الاحمدین کے نام سے المرشد کا اداریہ لکھنے والے بریگیڈیر (ریٹائرڈ) علی احمد بھٹی صاحب (ستارہ امتیاز) 28 دسمبر 2013 بمطابق 25 صفر 1435 ہجری کو دارفانی سے دار بقا کو سدھار گئے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعض لوگ ایسے خوش قسمت ہوتے ہیں کہ دنیوی طور پر بھی اعلیٰ مرتبہ ان کا مقدر ہوتا ہے اور دینی لحاظ سے بھی خاص مقام کے حامل ہوتے ہیں۔

بریگیڈیر (ر) علی احمد صاحب کا شمار بھی ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ فوج میں بھرتی ہوئے تو جج ایڈوکیٹ جنرل (JAG) کے اعلیٰ عہدہ تک پہنچے جو فوج کے تمام قانونی امور کی نگرانی کرتا ہے۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ سے منسلک ہوئے تو اپنے خلوص اور محنت کی بدولت صاحب مجاز بنائے گئے اور سلسلہ کے انتظامی امور میں مجلس منتظمہ کے ممبر۔ یہ ایسی سعادتیں ہیں جو وفات تک انہیں حاصل رہیں۔

بریگیڈیر صاحب خلوص اور جان فشانی کا مرقع تھے۔ سلسلہ عالیہ سے تعلق قائم ہونے کے بعد ان کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا تھا۔ دین کی سربلندی کے لئے وہ کوئی موقع فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ مشائخ سے تو انہیں عشق تھا قلزم فیوضات، حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تک حیات تھے تو ان کی خدمت میں ہر مہینے کی حاضری ان کا معمول تھا۔ باقی ملاقاتیں اس کے علاوہ تھیں۔ حضرت جی مدظلہ العالی کے ساتھ بھی ان کا یہی معمول رہا۔ کبھی کوئی مہینہ ایسا نہ گزرنے دیا جب حاضر خدمت نہ ہوئے ہوں۔ حاضری میں ذرا سی تاخیر بھی انہیں بے چین کر دیا کرتی تھی۔ حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی سے محبت کا یہ عالم کہ جب مرض الموت میں ڈاکٹرز نے انہیں وینٹی لیٹر پر رکھنے کا فیصلہ کیا تو اہل خانہ سے کہا "بے ہوش ہونے سے قبل میری حضرت جی مدظلہ العالی سے بات کرواؤ میں سلام عرض کرنا چاہتا ہوں۔ نہ جانے پھر ہوش آئے نہ آئے۔" گھر والوں نے فون ملایا تو فقط یہ عرض کی "حضرت! میں سلام عرض کرنا چاہتا ہوں۔ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" یوں وہ اپنے شیخ المکرم سے سلام عرض کر کے دنیا سے رخصت ہوئے۔

بریگیڈیر صاحب کو تحریر اور تقریر میں ملکہ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کی سوانح لکھنے کا کام ان کو سونپا گیا۔ انہوں نے جس عرق ریزی سے آپؒ کے حالات و واقعات کو جمع کیا یہ انہی کا خاصہ تھا۔ وہ ہر اس ساتھی کے پاس پہنچے جہاں انہیں اندازہ تھا کہ کچھ مواد مل سکتا ہے۔ پھر اس سارے مواد کو ترتیب دیتے وقت واقعات کی صحت کا بہت خیال رکھا۔ ایک ایک لفظ کو تول کر لکھا۔ اس سوانح جس کا نام پہلے حیات طیبہ اور اب حیات جاویداں حصہ اوّل ہے اتنی پسند کی گئی کہ اس کے بعد تمام مشائخ کے حالات کو قلمبند کرنے کی ذمہ داری انہیں دی گئی جو انہوں نے اسی طرح احسن طریقے سے نبھائی جو اب حیات طیبہ یا حیات جاویداں حصہ دوم کے نام سے موجود ہے۔ المرشد کی ادارت جب فیصل آباد سے لاہور منتقل کی گئی تو اداریہ لکھنے کی ذمہ داری انہیں دے دی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کر دیا۔ ان کا ہر اداریے میں دینی رنگ غالب ہوتا تھا۔ وہ ہر معاملے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چونکہ یہ ایک دینی کام تھا لہٰذا ہر تکلیف کے باوجود اسے سرانجام دیتے تھے۔ آخری اداریہ جب لکھا تو انہیں سانس کی شدید تکلیف تھی۔ گھر والوں نے CMH لے جانے کے لئے گاڑی نکالی لیکن وہ ایک گھنٹہ محض اس وجہ سے گاڑی میں دیر سے بیٹھے کہ اداریے کو آخری شکل دینے کے بعد اس کو دیکھ کر تسلی کر لیں۔ گھر میں ان کا آخری کام المرشد کے اداریے کی تکمیل تھا۔ بعد میں ہسپتال میں مجھے اپنے بستر سے ٹیلی فون کیا کہ اداریہ مکمل کر کے آیا ہوں دیکھ لیں۔ تین چار دن بعد میں تیمارداری کے لئے گیا تو انہوں نے پوچھا اداریہ ٹھیک ہے۔ میں نے جواب دیا بہت اچھا ہے۔ بستر مرگ پر بھی انہیں المرشد کے اداریے کا خیال تھا۔ یہ لگن اور مقصد سے یہ وابستگی۔ فنافی اللہ اور فنافی الرسول ﷺ اور کون ہوتے ہیں!

پس مرگ ان کا چہرہ شاداں و فرحاں اور لب تبسم کناں تھے۔ ایسے ہی موقع کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم

چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

محمد اجمل

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدۂ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرّم کا فیضانِ نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

ضربِ کلیمی

اب یہاں ضربِ کلیمی چاہیے
تیشہ فرہاد کی حاجت نہیں

جب تلک بدلو نہ خود حالات کو
وہ بدل دے، اس کی یہ عادت نہیں

پھر سے اب تیغ و سناں کی بات کر
اب رباب و چنگ میں طاقت نہیں

پھر اُحد کو ہے تمہارا انتظار
بھاگنا اس سے تری عادت نہیں

راہ میں تیری ہے پھر کرب و بلا
مشورہ لینے کی اب حاجت نہیں

ہے سکوں اپنا تو زہر آبِ تیغ
قصر میں آقاؤں کے راحت نہیں

اب وطن پر ہوگا رائج دینِ حق
ظلم کو جینے کی یاں فرصت نہیں

ملک پر نافذ ہو دیں، ہے آرزو
اب فقیر اس کے سوا حاجت نہیں

"دیدۂ تر" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1۔اس کارگہہ حیات میں اگر کوئی ذریعہ ایسا میسر آجائے جو میرے اور آپ کے دل کا تعلق نبی کریم ﷺ سے قائم کردے تو اس سے زیادہ قیمتی بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔

2۔قبولیت کا معیار صرف ایک ہے۔دل میں خلوص ہو، کردار میں محمد رسول ﷺ کا اتباع ہو۔

3۔ایک دوسرے کا احترام ہی انسانی تعلقات کو قائم رکھتا ہے۔

4۔غیر اللہ کی محبت، غیر اللہ کی طلب، اللہ کو بھول جانا، یہ قلب کے گناہ ہیں۔

5۔تبلیغ کے لئے ضروری نہیں کہ دور دراز سفر کریں۔تبلیغ کا مطلب ہے بات پہنچانا جس سے بات ہو اس تک اللہ کی، اللہ کے نبی ﷺ کی بات ضرور پہنچائیں۔

6۔ہر برائی کا بنیادی سبب یہی ہے کہ بندے کو قیامت کے انصاف پر یقین نہیں رہتا۔غلطی تو ہوجاتی ہے لیکن آخرت کا یقین ہو تو بندہ نادم ہوجاتا ہے۔

7۔ترقی (روحانی) کا انحصار اتباع شریعت پر ہے۔اگر ایک آدمی کاروبار حیات چھوڑ دے، دنیا سے الگ ہوجائے، گوشہ نشین ہوجائے اور رات دن متوجہ الی اللہ رہے تو ترقی نہیں ہوتی کیونکہ اس کے اعمال کے لئے کوئی میدان نہیں ہے۔

8۔تصوف کا حاصل فنائے ذات ہے جو علوم ظاہریہ کی ضد ہے۔

9۔اگر مزاج نیکی کی طرف مائل ہے اور برائی سے بچنا چاہتا ہے تو یہ اللہ کی رضا کا مظہر ہے۔

10۔موت ان کے ساتھ ہی آئے گی جن کے ساتھ آدمی زندگی گزارتا ہے۔یہ تو ممکن نہیں کہ زندگی مے خانہ میں بسر ہو اور موت کعبہ میں آئے۔

11۔اگر کوئی چاہے کہ میں دنیا میں رہوں اور مجھ پر کوئی تکلیف نہ آئے تو وہ اتنا سادہ ہے کہ وہ اس دنیا کو جنت سمجھے بیٹھا ہے۔یہ خصوصیت تو جنت کی ہے۔جہاں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

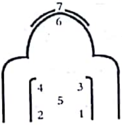

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

ماہانہ بیان

8 دسمبر 2013

دعا کا حاصل

حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ:186)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ

مجھے چندروز پہلے ایک خط ملا تقریباً ایک صفحہ لکھا ہوا تھا، حاصل اس کا یہ تھا کہ مجھے بیس برس ہوگئے ہیں دُعا مانگتے کہ میری آنکھیں ٹھیک ہوجائیں اور اس دعا کو کرتے مجھے بیس برس ہوگئے ہیں، لیکن میری آنکھیں ٹھیک نہیں ہوئیں، تو اب میرا ایمان متزلزل ہونے لگا ہے کہ کوئی اللہ ہے بھی کہ نہیں۔ میں نے اس خط کا جواب نہیں دیا یہ چند سطروں کا جواب نہیں تھا میں نے اسے آج کے لئے چھوڑ دیا۔ اگر اس بندے تک میری بات پہنچے جس کا خط تھا تو ضرور اس پر غور فرمائے۔

رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو ارشاد فرمایا! وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ غور فرمائیے گا قرآن کے الفاظ میں غور فرمائیے جب میرا کوئی بندہ آپ ﷺ سے میرے بارے پوچھے' وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ '' یعنی ہر کوئی نہیں۔ "عِبَادِیْ" میں یہ راز پوشیدہ ہے کہ جس کا مجھ پر یقین ہو، اعتماد ہو، مجھے مانتا ہو، مجھے رب مانتا ہو، مجھے معبود اور اِلٰہ مانتا ہو۔ لیکن وہ یہ جاننا ہو کہ اللہ ہے۔ پھر وہ یہ جاننا چاہے کہ کیسا ہے، اللہ کہاں ہے اللہ کو کہاں تلاش کروں تو میرے حبیب ﷺ اسے بتا دیجئے کہ تیرے سب سے قریب میں ہوں۔" فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ " یہ جو اربوں باڈی سیل (Body cell) ہیں ایک ایک سیل (Cell) کو پیدا کرنا بنانا اس میں استعداد کار رکھنا یہ اس کا کام ہے۔ تو وہ ہستی جو وجود کے ایک ایک سیل کو ہر لمحے بنا رہی ہے، فنا کر رہی ہے اس سے زیادہ قریب کون ہوگا۔ لیکن الفاظ یہ ہیں' وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ '' اسے مجھ پہ اعتماد ہو۔ نہ صرف جانتا ہو کہ میری ذات کیسی ہے، میری صفات کیسی ہیں، میں کہاں ہوں، بلکہ اُسے یقین ہو کہ اللہ ہے۔ اور یہ عقیدہ ہر انسان کے لئے ضروری ہے۔ عہد فترت میں بھی یہ عقیدہ لازمی تھا۔ عہد فترت اس زمانے کو کہتے ہیں جس میں انبیاء کی تعلیم ختم ہوجائے، نہ رہے، کوئی بتانے والا نہ ہو تو مظاہر قدرت کو دیکھ کر بندے کو جان لینا چاہیے کہ کوئی ان کو بنانے والا ہے۔ نظام ہستی کو چلانے والی کوئی ہستی ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا نجات یافتہ ہوگا۔ عہد فترت میں جس کو یہ یقین ہو کہ ساری کائنات کا کوئی بنانے والا ہے اور وہ' وَحدہ' لاشریک '' ہے اور ہر چیز پہ قادر ہے تو اس کی نجات کے لئے یہ کافی ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے کے زمانے کے بارے کچھ کتابیں لکھی گئیں ہیں کسی کا نام نور نامہ ہے، کسی کا کچھ اور۔ اسی طرح کی بے سند بے تکی سی کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں حضور اکرم ﷺ کے والدین پر بحث کی گئی ہے کہ جب حضور ﷺ نے دوزخ کا ملاحظہ فرمایا تو (معاذ اللہ) وہاں والدین تھے۔ یہ سب خرافات ہیں حضور ﷺ کے والدین بھی مسلمان تھے۔ حضور ﷺ کے دادا کا یہ قول دیکھ لیجئے جب ابرہہ نے حملہ کیا اور آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ لے کر گئے تو اس نے کہا میں تو حیران تھا کہ میں تو آپ کا کعبہ

گرانے آیا ہوں اور آپ صرف اونٹ طلب کر رہے ہیں، تو انہوں نے فرمایا، اونٹوں کا مالک تو میں ہوں، میں تو اونٹوں کو طلب کر رہا ہوں، بیت اللہ کا مالک بھی ایک ہے۔ تم حملہ کرو وہ تم سے نمٹ لے گا۔ کیا یہ دلیل کافی نہیں کہ ان کا توحید باری پہ ایمان تھا۔ اس وقت اسلام یہی تھا۔ بعثت عالی سے پہلے اتنا ہی اسلام تھا کہ اللہ کو وحدہٗ لاشریک مان لو۔ لہٰذا آپ کے دادا اور والدین مسلمان تھے الحمدللہ۔

سو فرمایا سب سے پہلے تو بندے کو میری ذات پہ اعتماد ہو وہ اپنے بارے جانتا ہو کہ میں مخلوق ہوں اس کا کوئی خالق ہے، میں مربوب ہوں کوئی میرا رب ہے جو میری حاجات پوری کر رہا ہے۔ پھر جب وہ آپ سے پوچھے کہ میرا اللہ کہاں ہے تو فرما دیجئے تیرے سب سے قریب تر تو اللہ ہی ہے۔

فرمایا: "اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" میری شان یہ ہے جب کوئی مجھ سے مانگتا ہے میں اسے عطا کر دیتا ہوں کسی کی دعا رد نہیں کرتا "اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" جب بھی کوئی مجھ سے دعا کرتا ہے میں اسی کی دعا قبول کرتا ہوں آگے ارشاد فرمایا: "فَلۡیَسۡتَجِیۡبُوۡا لِیۡ" بھئی مجھ سے دعا قبول کرانے کے لئے تم بھی تو میری بات مانو۔ تم بندے ہو کر نہیں مانو گے تو پروردگار ہو کر مجھے تمہاری کیا پرواہ ہے، اگر دعا قبول کرانا چاہتے ہو تو جو میں فرماتا ہوں اس کو تم بھی تو مانو۔ بارخدایا کیا مانیں؟ نمازیں پڑھیں، روزے رکھیں، تلاوت کریں، کیا کریں؟ فرمایا یہ سب کام ہوتے رہیں گے۔ "وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ" "تم مجھ پر ایمان لے آؤ۔ فرمایا میری تم بھی تو سنو! میری بات تم بھی تو مانو۔ بارِالٰہا کیا مانیں؟ فرمایا "وَ لۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ" "مجھ پر ایمان لے آؤ، مجھے اپنا خالق، اپنا مالک، اپنا رازق، ہر چیز پہ قادر مان لو جب تم مان لو گے تو باقی سارے کام ہوتے چلے جائیں گے۔ ساری عبادات کی بنیاد ایمان ہے جو اطاعتِ الٰہی پر مجبور کر دیتا ہے۔ بندے کو یقین ہو جائے کہ میں بندہ ہوں، عاجز ہوں محتاج ہوں، میری کوئی حیثیت نہیں ہے، اللہ میرا مالک ہے، خالق ہے، رازق ہے، دل کی دھڑکن وہ چلا رہا ہے، سانس کے آنے جانے پر وہ قادر ہے، اس نے مہلت دے رکھی ہے، پلک جھپکتا ہوں تو یہ اس کی دی ہوئی نعمت ہے۔ جب یہ یقین ہو جاتا ہے تو پھر عبادات جو کہ طاعات ہیں، از خود اطاعت ہوتی چلی جاتی ہے۔ عبادات صرف نماز، روزہ نہیں ہے یہ عبادات کا ایک خاص حصہ ہیں۔ ہر وہ کام جو اللہ کی اطاعت، نبی ﷺ کی سنت کے مطابق کیا جائے وہ عبادت ہے حتیٰ کہ سونا بھی عبادت ہے، بات کرنا بھی عبادت ہے، مزدوری کرنا بھی عبادت ہے بشرطیکہ وہ شرعی طریقے سے حضور ﷺ کے عطا کردہ قواعد کے مطابق ہو پھر رات دن عبادت ہی عبادت ہوتی چلی جاتی ہے۔

اللہ کریم نے صرف عبادات کا نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا "وَلۡیُؤۡمِنُوۡا بِیۡ" "مجھ پر ایمان تو لاؤ، تو گویا اس کے چار حصے ہو گئے۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ عظمتِ الٰہی پہ اعتماد ہو۔ اللہ کی ذات کیسی ہے؟ صفات کیسی ہیں؟ کیا کرنا ہے کیا نہیں کرنا یہ نہ بھی جانتا ہو لیکن اس کے دل میں ایک یقین ہو کہ میرا خالق ہے، جب وہ آپ ﷺ سے پوچھے اللہ کی صفات اللہ کی رضا، اللہ کی مرضیات، کس بات پر اللہ راضی ہے، کس بات پر اللہ ناراض ہے، اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے، ہم کس طرح اطاعت کریں، کس طرح عبادت کریں، کس طرح اس کی ذات کو مانیں۔

ماننے کے بارے میں علماء حق نے تشریح کی ہے۔ اللہ کو ہر کوئی مانتا ہے ایک بات شاید آپ کو عجیب لگے، قرآن کریم میں جگہ جگہ ملتا ہے کہ مشرکین اور کافر بھی اللہ کو مانتے ہیں۔ انبیاء سے کہتے تھے "وَ مَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ" "اللہ نے کوئی شئے نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بول رہے ہو" اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ "تم جو کچھ کہہ رہے ہو صرف جھوٹ ہے اس میں کوئی حق نہیں اللہ نے کوئی شئے نازل نہیں کی اس کا مطلب ہے وہ اللہ کو تو مانتے تھے لیکن مانتے اپنے طریقے سے تھے۔ اللہ کا انکار ممکن نہیں ہے، ہر باشعور بندے کو ماننا پڑتا ہے کہ ایک ہستی ہے کہ جس کے آگے کچھ نہیں ہر چیز پر قادر ہے ورنہ تسلسل لازم آتا ہے۔ اس کو کس نے بنایا؟ اس کو کس نے بنایا؟ پھر آگے

اس کو کس نے بنایا کہیں جا کے رکنا پڑتا ہے کہ یہ ہستی پیدا کرنے والی ہے اسے کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔ اس سے آگے کچھ نہیں تو اللہ کو تو سارے کافر بھی مانتے ہیں۔ مانتے اپنے طریقے سے ہیں کہ اللہ نے کائنات بنا کر دیوی دیوتاؤں کے سپرد کر دی آگے چلانا ان کا کام ہے۔ یا اللہ نے کائنات بنا کر نیک بندوں سے کہا کہ اب اسے جیسے تم کہو گے ایسے چلائیں گے ہم فلاں مزار پر سجدہ کریں گے تو وہ ہماری سفارش کریں گے تو کام ہو جائے گا۔ یہ ماننے کے مختلف طریقے ہیں۔ انبیاءؑ کو کہہ دیا یہ اللہ کا بیٹا ہے اس نے زمین پر بھیجا ہے کہ ان انسانوں کے کام کرو جو اس کو مانتے ہیں، اللہ نے اپنے بیٹے کو پھانسی دے دی تو ان کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ نبیؑ کے ماننے والوں کے گناہوں کی سزا اللہ نے اپنے بیٹے کو دے دی ماننے کے یہ سارے قاعدے غلط ہیں مگر بدعقیدہ لوگ اللہ کو اس طرح مانتے ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ ماننا نہیں ہے ماننا یہ ہے" وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی "جب کوئی بندہ میرے بارے جاننا چاہے تو آپ ﷺ سے پوچھے۔ اس لئے علماء اسلام نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ جب آپ بچے کو بھی اللہ کا تصور دیں تو اسے یہ سمجھائیں کہ میں اس اللہ کو مانتا ہوں اور ویسا مانتا ہوں جیسا حضرت محمد ﷺ جو حضرت عبداللہ کے بیٹے جو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور جنہوں نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی جیسا وہ منواتے ہیں ویسا میں مانتا ہوں۔ اپنے طور پر ماننے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا" وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی "میرے بارے جب کوئی بندہ آپ ﷺ سے پوچھے کیونکہ اللہ کا پتہ دینا اللہ کے نبی ﷺ کا کام ہے ہم از خود اس کی عظمت کو نہیں جان سکتے۔ اللہ کی ذات کے بارے میں سوچنا جائز نہیں ہے، منع ہے۔ اس کی ذات ہماری سوچوں، ہمارے علم، ہماری استعداد، ہمارے شعور سے وراء الوریٰ ہے۔ ہمارا شعور ہماری علمی استعداد، ہماری ذہنی استعداد مخلوق ہے۔ اللہ کریم خالق ہیں خالق مخلوق کے دائرے میں نہیں آ سکتا۔ مخلوق کے دائرہ تخلیق میں جو آئے گا وہ مخلوق ہوگا اس لئے خالق کی عظمت دائرہ تخلیق سے بالاتر ہے وہ خالق ہے مخلوق نہیں ہے۔ ہم نہیں جان سکتے ہاں ہم صفاتِ باری جان سکتے ہیں کہ وہ کریم ہے، وہ رحیم ہے، وہ قادر ہے، وہ خالق ہے وہ مالک ہے وہ رازق ہے یہ ساری صفتیں کون بتائے گا؟ محمد رسول اللہ ﷺ بتائیں گے۔ ہم اپنے طور پر نہیں مانیں گے کہ ہم خود سوچ لیں۔ نہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ کریم کو ویسا مانو جیسا محمد رسول اللہ ﷺ منواتے ہیں۔ جب آپ اس یقین پر پہنچ جائیں گے جو اللہ کا رسول ﷺ چاہتا ہے، تو پھر اللہ سے بات کی جائے گی یعنی کمال مصطفوی یہ ہے کہ ۔

کردیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

کہاں بندہ، کہاں ذات باری! آپ ﷺ کا معجزہ آپ ﷺ کا بہت بڑا معجزہ یہ بھی ہے کہ برسوں کا کافر، مشرک، بدترین کافر، بد اخلاق، بدکردار، گنہگار جب خلوص سے کلمہ پڑھتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو گویا نبی کریم ﷺ اس کا ہاتھ پکڑ کر اللہ کریم کے روبرو کھڑا کر دیتے ہیں۔ کیا کسی کو حضور ﷺ نے کہا کہ تم مجھے سجدہ کرو میں اللہ کو سجدہ کروں گا۔ فرمایا میں بھی اللہ کو سجدہ کرتا ہوں، آجاؤ تم بھی میرے ساتھ کھڑے ہو جاؤ تم بھی اللہ کو سجدہ کرو، دل کی بات اللہ سے کرو۔ فرمایا نمازی کے آگے سے نہ گزرو فَاِنَّہٗ یُنَاجِیْ رَبَّہٗ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے وہ اپنے رب سے سرگوشیاں کر رہا ہے اسے ڈسٹرب نہ کرو۔ یعنی بندے کو آنِ واحد میں اللہ کے روبرو کھڑا کر دیا۔ انسانیت پر حضور ﷺ کا یہ احسان عظیم ہے۔ بچھڑے ہوئے، بکھرے ہوئے، بھٹکے ہوئے، گنہگار، خطا کار کو جب اس نے ایمان قبول کیا تو آنِ واحد میں اللہ کے روبرو کر دیا۔ فرمایا جب یہاں پہنچو تو پھر مجھ سے بات کرو میں تو تمہارے سب سے قریب تر ہوں" اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "میری شان یہ ہے کہ میری شان کے لائق نہیں ہے کہ کوئی مجھ سے سوال کرے اور میں رد کر دوں۔ میں اگر رد کر دوں تو کون اس کی سنے گا۔ جب بندہ میرا ہے، میں مالک ہوں، میں خالق ہوں، رازق ہوں میں تو میں ہی سنوں گا۔ میں ہر بندے کی ہر درخواست قبول کرتا ہوں۔ بات صرف یہ ہے "فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ" تم

بھی میری مانو تمہیں اگر میری عظمت کی پروانہیں ہے تو مجھے تمہاری مسکینی کی کیا ضرورت ہے۔تو دعا مانگتے وقت ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ میں اطاعت الٰہی میں کہاں کھڑا ہوں۔

اب تو رواج ہوگیا ہے کہ ہر بندہ سود کھاتا ہے۔ مجھے پچھلے دنوں ایک فوجی افسر بتا رہا تھا کہ حد تو یہ ہوگئی ہے کہ ہمارے جو فوجی سپاہی ہیں تنخواہ ملتی ہے تو کوئی ایک آدھ دن چھٹی جانے والا ہوتا ہے وہ دوستوں سے کہتا ہے یار مجھے پیسے دے دو واپس آؤں گا تو تمہیں اگلی تنخواہ پر دے دوں گا کہ میں گھر جا رہا ہوں تو وہ فرماتے ہیں وہ بھی سود پر دیتے ہیں کہتے ہیں تمہیں اتنے دیتے ہیں اتنے زیادہ ہمیں واپس کرو۔یعنی نس نس میں رچ بس گیا ہے۔اب سود کھا کر جو دعا کرے گا تو کیا کرے گا۔ نبی علیہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جو سود کھانا نہ چاہتے ہوں گے ان کے منہ میں بھی سود کا غبار جائے گا ہم میں سے جو لوگ سود نہیں کھانا چاہتے وہ اس کی مثال ہیں۔آج ہم وہ زمانہ دیکھ رہے ہیں۔

الحمدللہ میں نے ساری زندگی نہ سود لیا ہے نہ سود دیا ہے۔اب رقم باندھ کر سر پر تو نہیں رکھنی بینکوں میں ہی رکھنی ہے ساری عمر کرنٹ (Current) اکاؤنٹ رکھا ہے لیکن بینک تو سودی کاروبار کرتے ہیں تو سود کا غبار ہمارے منہ میں بھی پہنچتا ہے۔بازار سے جو چیزیں لیتے ہیں، کھاتے ہیں، کاروبار کرتے ہیں تو پیچھے سے یہ سارا سود پر آ رہا ہوتا ہے ہم نقد دیں نقد لیں لیکن اس میں سود کا اثر تو ہے، غبار تو جاتا ہے تو یہ تو ایسا دور ہے جو نہیں چاہتا اس کے منہ میں بھی سود کا غبار جا رہا ہے۔ جہاں سود ہوگا۔وہاں سے کیا دعا نکلے گی اور کہاں پہنچے گی۔ ایک پرندے کے پر باندھ دیں پھر ساتھ دو دو پتھر بھی باندھ دیں پھر اُسے اُڑا دیں کہ آسمان پر پہنچ جائے گا وہ تو زمین پر ہی گرے گا۔ ہماری دعائیں وہ پرندے ہیں جن کے پروں کے ساتھ سود کے پتھر بندھے ہوئے ہیں۔اگر وہ سنتا ہے تو یہ اس کا کرم ہے۔ ہماری دعاؤں میں کیا رکھا ہے پھر بھی وہ سنتا ہے اور یہ اس کی عطا ہے ورنہ ہماری دعائیں تو وہ پرندے ہیں جن کے پروں سے سود کے پتھر بندھے ہیں۔ پھر ہم دن بھر جو کرتے ہیں حیران کن ہے۔اسلام کا سادہ سا طریقہ ہے اپنے حقوق حاصل کرو اس میں ایک رعایت ہے کہ تم اپنا حق معاف بھی کر سکتے ہو لینا چاہو تو لے سکتے ہو لیکن اگر معاف کر دو تو اس کا تمہیں کئی گنا زیادہ اجر ملے گا۔دوسرے کا حق دو اس میں تم کمی نہیں کر سکتے۔ وہ تمہیں دینا ہی دینا ہے۔ ہماری ساری زندگی لینے میں گزرتی ہے ہم حق نہیں لیتے، چاہتے ہیں کہ سب کچھ ہمیں مل جائے، دوسرے کا بھی چھین لیں۔ پھر ہمارے منہ سے کیا دعا نکلے گی۔اپنا حال تو دیکھو یار۔

تیسرا پہلو جو سب سے زیادہ سمجھنے کا ہے کہ دعا ایک درخواست ہوتی ہے حکم نہیں ہوتا۔ جو بندہ اس پر اصرار کرے میں نے دعا کی اب مانی جائے تو اس کا مطلب ہے وہ حکم دے رہا ہے کہ اس کی تعمیل ہو۔دعا درخواست ہوتی ہے، اور جس بارگاہ میں درخواست کر رہے ہو یہ اس کا حق ہے کہ وہ قبول کرے یا رد کرے۔حکم ہوتا ہے جو ہر حال میں مانا جاتا ہے۔آپ اگر اللہ کی بارگاہ میں اس طرح دست بہ دعا ہیں کہ میں جو کہہ رہا ہوں وہی کرو، پھر تو آپ اللہ کو حکم دے رہے ہیں۔ذرا سوچ لو۔دعا حکم نہیں ہوتی۔ دعا ایک عاجزانہ درخواست ہوتی ہے جو قبول کرنے والے کی مرضی اور وہ ایسا کریم ہے فرماتا ہے جو دعا کرتا ہے میں اسے دعا کرنے کا بھی انعام عطا کرتا ہوں، اس بات کا بھی اجر دیتا ہوں کہ اس نے مجھ سے درخواست تو کی۔ یہ کائنات جب بنی اس کے بننے سے پہلے اس میں کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا، رزق تقسیم کر دیے گئے، تندرستی تقسیم کر دی گئی حضور ﷺ کے ارشاد میں ہے کہ فیصلے کر دیے گئے اور سیاہی خشک ہوگئی اس کے بعد مخلوق بنی بعد میں زمینیں بنیں بعد میں آسمان بنے۔

وہ ازل سے جانتا ہے کوئی کتنے سانس لے گا، کیا سوچے گا، کیا حرکت کرے گا۔ کتنا گھاس کا تنکا کہاں پیدا ہوگا، کون سا ذرہ کہاں گرے گا، کس ذرے کو تبدیل کر کے انسانی وجود بنانا ہے، کس ذرے سے سونا بنے گا، کس ذرے کو لوہے میں تبدیل کرنا ہے۔ یہ سب وہ ازل سے جانتا ہے۔مخلوق بننے سے پہلے فیصلے ہوگئے۔

اب رہ گئی دعا تو دعا بھی تقدیر ہے، یاد رکھیں انہی فیصلوں میں سے

ہے جو ازل میں ہو گئے کہ فلاں بندہ یہ درخواست کرے گا تو اس کے بدلے میں اسے یہ عطا کروں گا۔ اللہ کا نظام ایسا نہیں ہے کہ اللہ کو پتہ نہیں۔ آج اٹھ کر آپ کو خیال آیا آپ نے دعا کی تو اس نے کہا چلو ایسا ہی کر لو، ایسا نہیں ہے دعا بھی تقدیر ہے وہ ازل سے جانتا ہے کہ کون بندہ کیا دعا کرے گا، اس کے بدلے میں اسے کیا دوں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کی بڑی تفصیل ارشاد فرمائی حضور ﷺ نے فرمایا مومن کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ کریم نے ارشاد فرمادیا "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ "میرا بندہ جب مجھے پکارتا ہے، جب بات کرتا ہے میں قبول کرتا ہوں اب اس قبولیت کے کتنے درجے ہیں۔ موسیٰ نے دعا کی اے اللہ ان فرعونیوں کو تو نے بڑی موجیں کرائیں، لیکن یہ تیرے دین کی تیرے نبیؑ کی مخالفت کر رہے ہیں ان کے دلوں پر مہر کر دے جب تک انہیں حقائق اور برزخ نظر نہ آئے یہ ایمان نہ لائیں، ان سے توفیق سلب کر لے، ان کو تباہ کر دے، فوراً ارشاد ہوا آپ کی دعا قبول ہوگئی برسوں بعد فرعون غرق ہوا، لیکن وقت کا تعین اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس میں کتنی تاخیر ہوئی لیکن فرعون تباہ ہو گیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا بعد اوقات دعا بعینہٖ قبول ہو جاتی ہے لیکن اس کے صدور میں، اس کے صادر ہونے میں وقفہ ہوتا ہے جو اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس کی حکمت ہے بعض اوقات فوراً ویسی ہی جیسا بندہ چاہتا ہے ویسی ہی چیز مل جاتی ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے وہ چیز اسے نہیں دی جاتی جو مانگ رہا ہے، اس لئے کہ اگر وہ اسے مل جائے تو اس کے لئے مفید نہیں ہے تو اللہ کریم اس کے بدلے اسے وہ نعمت دے دیتے ہیں جو اس کے لئے مفید ہو۔ جیسے چمکتی ہوئی چھری، چاقو دیکھ کر اگر بچہ اصرار کرے تو اس ماں نہیں دیتی اسے اس کے بدلے کوئی اور خوبصورت چیز پکڑا دیتی ہے جو نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ اسی طرح قادر مطلق سے ہم جو مانگتے ہیں ہمیں یہ نہیں پتہ کہ میں مانگ رہا ہوں آنکھیں بینا ہو جائیں۔ شاید آنکھیں بینا ہو جائیں تو میں گمراہ ہو جاؤں شاید کسی اور مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں تو وہ چیز عطا کر دیتے ہیں جو ہمارے لئے نفع بخش ہوتی ہے مفید ہوتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔ دعا تو قبول ہو گئی بات تو مانی گئی لیکن وہ چیز جو تم مانگ رہے تھے وہ تمہارے لئے نقصان دہ تھی تمہارے لئے جو مفید ہے۔ وہ عطا کر دی گئی۔

تیری صورت اس کی یہ ہے کہ دعا کا کوئی بدلہ دنیا میں نہیں ملتا، کچھ بھی نہیں ملتا تو پھر دعا کہاں گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میدان حشر میں جب اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا تو کچھ لوگوں کے اعمال ترازو پر رکھ کر فرشتے عرض کریں گے بارِ الٰہا نیکی بدی دونوں پلڑوں میں رکھ دی گئی، ارشاد ہوگا ٹھہرو! اس کی کچھ نیکیاں میرے پاس بھی ہیں جن سے تم واقف نہیں ہو وہ بھی اس کے پلڑے میں رکھو اور وہ نیکیاں وہ دعائیں ہوں گی جو اس نے دنیا میں کیں اور اس کے بدلے دنیا میں اسے کچھ نہیں ملا۔ جو نیکی اللہ کی ذات کی طرف سے عطا ہوگی کہ اس نے اپنے پاس محفوظ رکھی تھی اس کا وزن کتنا ہوگا! حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بہت بڑے بڑے مستجاب الدعوات اہل اللہ اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہماری دعائیں دنیا میں نہ پوری ہوتیں آج ہمارے نامۂ اعمال میں رکھی جاتیں۔ تو میرے بھائی اگر تم بیس برس سے دعا کر رہے ہو تو سوچو تمہارے نامۂ اعمال میں کتنی نیکیاں رکھی گئیں! چوتھا پہلو اس کا یہ ہے کہ جب کوئی دعا کرتا ہے "فَاِنَّهٗ يُنَاجِيْ رَبَّهٗ" اللہ سے براہ راست ہم کلام ہوتا ہے کچھ بھی نہ ہو، کچھ بھی نہ ہو، آخرت میں بھی نہ ملے تو جو لمحات اللہ سے بات کرتے گزر جائیں ان کا کوئی ثانی ہے؟ ارے ہم دنیا دار ہیں، آج کسی کو وزیر اعظم بلا لیتا ہے وزیر اعظم ہاؤس میں بلاتا ہے تنہائی میں ملتا ہے اس کی ساری بات سنتا ہے اس کا کام ہو یا نہ ہو وہ ساری عمر گن گاتا رہتا ہے، کہ مجھے تو ذاتی طور پر بلا لیا گیا۔ حالانکہ جیسے ہم ہیں ویسا ہی وہ ایک انسان ہے۔

قادرِ مطلق سے تم نے تنہائی میں باتیں کر لیں ذاتی طور پر ایک تم تھے ایک اللہ کریم تھا اب اس سے آگے کیا چاہتے ہو۔ دعا مانگنا صرف یہ نہیں ہے کہ جو مانگ رہے ہوں وہ لینا ہے بات کرنے کا بھی تو کوئی مزہ ہوتا ہے!

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را

دنیا بھر کی باتوں کا جواب ایک لفظ میں ہوتا ہے، دیا جاسکتا ہے۔ سارا دن بندہ بحث کرتا رہے۔شام کو آپ انکار کردیں سارے کا جواب ہوگیا۔سارا دن بندہ بحث کرتا رہے۔آپ ایک بات کہہ دیں جو آپ کہہ رہے ہیں وہ منظور ہے، ہاں یا ناں۔ایک لفظ جو آپ کیلئے کافی ہے۔

بیک لفظے تواں گفتن تمنائے جہانے را

ایک لفظ میں ساری باتوں کا جواب آجاتا ہے۔

من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

کہ میں نے بات لمبی کی یہ تو حضوری کا مزہ تھا۔سخن ہم کلامی کا مزہ تھا، شرف ہم کلامی کی لذت تھی، بات کرنے کی لذت تھی تو میں بات کو لمبا کرتا گیا۔سوال آتا ہے۔مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ادب یہ ہوتا ہے کہ سوال کا جواب مختصراً اور عین اس کے مطابق دیا جائے۔اور انبیاءؑ سے زیادہ باادب کون ہوگا موسیٰؑ پر سوال ہوا وَ مَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى (طٰہٰ:17) آپ کے ہاتھ میں کیا ہے جواب تھا هِيَ عَصَايَ یہ میرا عصا ہے پروردگار عالم تو جواب تو ختم ہوگیا هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى (طٰہٰ:18) اتنی لمبی بات اس سے میں ریوڑ چراتا ہوں اس سے میں پانی نکالتا ہوں، اس سے روشنی حاصل کرتا ہوں آپؑ نے طویل بات فرمائی فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى اس میں جتنے کمالات تھے سارے گنوائے۔ مفسرین فرماتے ہیں انبیاءؑ تو سب سے زیادہ باادب ہستیاں ہوتی ہیں تو کیا بات کو طول دینا ادب کے خلاف نہیں۔خود ہی جواب دیتے ہیں کہ بھئی بات یہ ہے کہ جواب تو ایک لفظ میں ہوسکتا ہے لیکن جو لذت ہم کلامی ہے اس نے مجبور کردیا اور میں بات کو طول دیتا چلا گیا۔

من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

کوئی بات کرنے کا بھی مزہ ہوتا ہے۔کبھی یہ بھی سوچو کہ میں کیا ہوں، میری حیثیت کیا ہے، میں پروردگار عالم سے بات کررہا ہوں، تنہائی میں علیحدگی میں کوئی سننے والا نہیں، دل میں دعا کررہا ہوں اب لفظ ہونٹوں سے نکلے تو فرشتے لکھیں مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق:18) جو لفظ لب سے نکلتا ہے وہ تو فرشتہ لکھتا ہے، اب جو دل بات کررہا ہے بارگاہِ الٰہی میں اس سے فرشتے کا کیا تعلق۔دعا کیا ہے؟ تم ہو اور پروردگار عالم ہے اس سے باتیں ہورہی ہیں۔

اگر دعا کا یہ پہلو دیکھا جائے تو اور کچھ بھی نہ ہو تو محض دعا کرنا خود ایک بہت بڑی عظمت ہے۔اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری عبادات کا حاصل دعا ہے۔دعا میں وہ لذت ہے کہ ساری عبادت کا مغز جو ہے وہ دعا ہے۔تو میرے بھائی جسے بیس برس اللہ نے اپنے ساتھ باتوں میں لگائے رکھا وہ اللہ سے ناراض ہونا چاہتا ہے! کیا بات کردی۔ اصل بات یہ ہے کہ میرے بھائی تم نے اللہ کو پکارا ہی نہیں۔تم نے اپنے تصور میں جو اللہ بنا رکھا ہے نا تم اس سے بات کرتے رہے۔محمد رسول اللہ ﷺ نے جس کی نشاندہی کی ہے جس کا پتہ بتایا ہے جس کے ساتھ ہمیں جوڑا ہے اس اللہ سے تم نے بات ہی نہیں کی ورنہ بات کرنے کی لذت آجاتی، مزہ آجاتا کہ بیس برس تم ہو اور اللہ کریم ہے اور باتیں ہورہی ہیں اب اس سے زیادہ کیا چاہتے ہو۔

کائنات کا نظام بڑا وسیع ہے اب یہ اتنا باریک نظام ہے کہ اسے اللہ ہی جوڑ سکتا ہے یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔روس کے ایک سائنسدان نے کوشش کی ہے کہ یہ جو برف گرتی ہے تو یہ بڑے باریک، چھوٹے چھوٹے مائیکرو ذرات ہوتے ہیں۔ایک قطرہ پانی کا جو ہے تو اس کے جو ذرات بنتے ہیں وہ لاکھوں میں بن جاتے ہیں۔اس نے کوشش کی ہے کہ اُن کی تصویر لی جائے۔اس نے بڑے طریقے آزمائے ذرا سا جو چھوٹا ذرہ ہے وہ فوراً پگھل جاتا۔اس نے کسی محلول کی مدد لی کہ اس ذرے کو اس پہ رکھ لے تاکہ وہ جم جائے اور پگھل نہ سکے۔اس نے برف کے جو چھوٹے ذرات تھے ان کی تصویریں لیں۔برف کا ایک گالا جو گرتا ہے اس میں کروڑوں ذرات ہوتے ہیں اور جو ٹنوں برف گرتی ہے ساری زمین پر اس میں کتنے ذرات ہوں گے! اس کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے

کہ کسی ایک ذرہ کی دوسرے سے شکل نہیں ملتی۔ ہر ذرے کی اپنی شکل ہے اور اتنی خوبصورت کہ میں نے آج تک ایسا خوبصورت زیور نہیں دیکھا کہ کسی سنار نے بنایا ہو۔ میں نے اس کی کچھ تصویریں نقل کی ہیں انہیں آپ دیکھیں یہ ساری ایک ایک ذرے کی تصویریں ہیں یعنی برف کا ایک ایک ذرہ جس کی اس نے تصویریں لی ہیں اور کوئی تصویر دوسری سے نہیں ملتی اور اتنی خوبصورت ہیں۔ یہ دیکھیں، یہ ایک ہے۔ اب یہ دیکھیں یہ دوسری ہے۔ یہ برف کا بالکل باریک خشخاش کے دانے سے بھی باریک ہے اس کی تصویر ہے۔ یہ دیکھیں کوئی ایسا زیور دیکھا آپ نے! یہ دیکھیں یہ چوتھی ہے۔ پانچ چھ ہیں میرے پاس میں نے نقل کی ہیں مجھ تک پہنچی ہیں یہ برف کے ایک چھوٹے رائی کے دانے سے بھی چھوٹے ذرے کی تصویریں ہیں۔ اب اس کاریگر کو میں اور آپ مشورہ دیں کہ یہ چیز ایسے بنا دو، جس نے یہ ذرات بنائے ہیں، یہ برف کے ذرات ہیں جنہیں مخلوق پاؤں تلے روندتی پھرتی ہے اور جو لمحے میں پگھل کر پانی بن جاتے ہیں۔ اس میں کوئی ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔ یہ ذرات کھربوں ہیں بے حساب ہیں گنتی سے بالا ہوتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ اس ہستی کو ہم مشورہ دیں کہ ایسا کرو یہ بات نہیں جچتی۔

ہاں یہ اس نے اجازت دی ہے، اور اس پر وہ بڑا خوش ہوتا ہے کہ جو تم سمجھ سکتے ہو جو تمہاری سمجھ میں آئے اس کے بارے میں مجھ سے بات کرتے رہا کرو۔ تم کائنات کو نہیں سمجھتے اب تمہیں کیا خبر ہے کہ برف کے ایک ایک ذرے میں کیا کیا کشیدہ کاری ہے، تو جس کو جانتے نہیں اس کا مشورہ کیا۔

اب پتہ نہیں بارش کے ایک ایک قطرے میں کیا رنگ آمیزی ہوتی ہے اب ایک پتہ بنتا ہے درخت کا ایک پتا ہے اس میں کتنے رنگ، کتنی رگیں، ہوتی ہیں اس میں آگ بھی ہے اس میں درخت کی غذا پک رہی ہے پھر وہ تقسیم ہو رہی ہے تو تم اس رب کی حکمتوں کو نہیں پا سکتے۔ یہ اس کا کرم ہے۔ اس نے کہا ہاں تم مجھ سے بات کیا کرو جو تم چاہتے ہو مانگو۔ اس کے بارے وہی ہوگا جو میں کروں گا کیونکہ میں سب سے بہتر جانتا ہوں تم کچھ نہیں جانتے تو اب اسی بات پر اصرار تو نہیں کیا جا سکتا کہ جو میں نے کہا ہے ویسا ہو جائے اس کی کوئی گنجائش نہیں یہ تو اس کا کرم ہے کہ ہم جو کہتے ہیں اس پر وہ اجر دیتا ہے سنتا ہے اور اس کا بدلہ ہمیں دیتا ہے اس سے جتنا مانگتے جاؤ اتنا خوش ہوتا ہے۔ اور اللہ سے مانگنا ہی زندگی کا حاصل ہے کہ یہ شعور ہو جائے کہ میرا اللہ ہے میں اس کا بندہ ہوں۔ یار! ساری عبادت کا حاصل یہی ہے، سارے مجاہدے کا حاصل یہی ہے۔ تو میرے بھائی گھبراؤ نہیں اس نے بھی تو بیس برس تمہاری بات سنی ہے یہ شرف کیا کم ہے جو دعا کا ایک طریقہ، ایک سلیقہ ہے دیسی نعمتیں مل جاتی ہیں، اس کا بدلہ مل جاتا ہے، آخرت میں اجر مل جاتا ہے پھر یہ کیا کم ہے کہ کائنات کا مالک ہو کر ایک عاجز سے بندے کی سنتا ہے۔ آپ اپنے آپ کو لکھنا شروع کریں آپ اللہ کی کائنات کو دیکھیں اس میں مخلوق کو دیکھیں، خود کو ایک مخلوق سمجھ کر آپ اعشاریہ صفر لکھنا شروع کر دیں زندگی بھر صفر لکھتے رہیں گے ایک لکھنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ کوئی بھی بندہ کائنات میں زمین پر جو مخلوق بستی ہے اس میں اپنے آپ کو شمار کرنا چاہے تو اعشاریہ لکھ کر ساری زندگی صفر لکھتا چلا جائے تو ایک لکھنے کی باری نہیں آتی۔ تم ہو کیا پھر اس بے کس کی بات براہ راست اللہ کریم سن رہا ہو۔ اور بیس برس تک سنتا رہا اتنا اس نے برداشت کیا ہے تمہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم کہہ رہے ہو میرا ایمان متزلزل ہو گیا۔ کمال ہو گیا یار تمہیں تو آج لذت ایمان آنی چاہیے تھی کہ کتنا کریم ہے میرا رب کہ مجھ جیسے نااہل کو برسوں سے برداشت کر رہا ہے اور میں اپنی جھک جھک بک بک کرتا رہتا ہوں، اور وہ کریم مجھے منع نہیں کرتا کہ یہ کیا کر رہے ہو کیا کہہ رہے ہو تم جاہل ہو تمہیں پتہ نہیں ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں کہتا۔ کہتا ہے، بات کرتے رہو۔

تو دعا کا حاصل وصول الٰہی ہے، قربِ الٰہی ہے۔ دعا ضرور کریں عبادت کا حاصل ہے لیکن دعا کو دعا سمجھیں دعا کو حکم نہ سمجھیں۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

☆☆☆

اکرم التفاسیر

حضرت شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سورۃ النحل آیات 41 تا 42

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وَ الَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی
اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے اپنا وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا
الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (41)
ٹھکانہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش ان کی خبر ہوتی۔ وہ ایسے ہیں جنہوں
الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (42)
نے صبر کیا اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

(سورۃ النحل آیات 41 تا 42)

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

مہاجرین کی فضیلت ارشاد فرماتے ہوئے اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے لئے ہجرت کرتے ہیں ان کے لئے انعامات ہیں۔

"وَ الَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ"

اللہ کے لئے ہجرت کون سی ہوگی؟ جہاں دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے عقائد اور نظریات کا تحفظ مشکل ہو جائے۔ اُس زمین کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلے جانا جہاں یہ تحفظ حاصل ہو اور محض اللہ کی رضا کے لئے ہجرت کرے تو ہجرت فی اللہ ہوگی۔ اللہ کے لئے ہوگی۔ کسی دنیاوی منافع کے لئے نہیں کسی کاروباری منفعت کے لئے نہیں۔ بلکہ محض دین کو بچانے کے لئے، اللہ کی رضا کے لئے ہوگی۔

صحابہ کرامؓ نے جو ہجرت حبشہ کی طرف کی، پہلی ہجرت تھی۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف جو کی گئی تو یہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کی اجازت سے اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق کی گئی۔ اس پر اللہ کریم نے ارشاد فرمایا! مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا جب اُن پر مظالم توڑے گئے محض اس لئے کہ وہ اللہ کو مانتے ہیں یا اللہ کو واحد کیوں مانتے ہیں؟ یا اللہ کی عبادت اللہ کے حکم کے مطابق کیوں کرتے ہیں؟ ہماری رسومات پر عمل نہیں کرتے تو فرمایا "لَنُبَوِّئَنَّھُمْ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً" اُن کو ہم دنیا میں بہترین ٹھکانہ دیں گے۔

علمائے حق نے ہجرت کی بہت سی اقسام تفاسیر میں نقل فرمائی ہیں سب سے اعلیٰ ہجرت تو وہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے کی۔ اللہ کے حکم اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق کی۔ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور اللہ کے دین پر عمل کرنے کے لئے کی کہ وہاں دین پر عمل کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اُس میں اتنی رکاوٹیں آرہی تھیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ کہیں بھی اس طرح کی تنگی ہو جیسے کسی ملک میں حلال حرام کا فرق مٹ جائے اور حلال دستیاب نہ ہو یا نیکی پر عمل کرنا ممکن نہ رہے اور بدکاری زیادہ ہو جائے اور برائی کو جواز مہیا ہو جائے اور علی الاعلان برائی ہوتی ہو۔ اسی طرح کسی ملک کی فضا راس نہ آئے اور کوئی صحت کے لئے وہاں سے سفر کرے کہ سکون سے اللہ، اللہ کر سکوں اور دین پر عمل کر سکوں تو جس سفر میں یہ عذر آجائے گا کہ یہاں رہ کر دین پر عمل کرنا مشکل ہے وہاں سے ہجرت فرض ہو جائے گی اور اُس ہجرت کرنے پر اللہ کریم اجر عطا فرمائیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے جو ہجرت فرمائی وہ محض توکل علی اللہ تھی۔ کسی نے کوئی سامان نہیں اٹھایا۔ کسی نے کوئی جائیداد نہیں بیچی۔ کسی نے

کوئی سرمایہ جمع نہیں کیا۔ بلکہ جس حال میں تھے تمام مال و اسباب، جائیدادیں، رشتہ داریاں، تعلقات، دوستیاں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہوئے۔ اس پر اللہ نے دو وعدے فرمائے۔ پہلا وعدہ تھا دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا فرمائیں گے اور یہی اُن کے خلوص پر گواہ ہے کہ جب وہ مکہ مکرمہ سے مہاجر ہو کر نکلے تو اللہ کریم نے اُنہیں مدینہ منورہ میں جگہ عطا فرمائی جو نہ صرف رہنے کی جگہ بنی بلکہ اسلامی ریاست کا سنگ بنیاد بن گیا۔ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے عبادات بھی سکون سے کرنے لگے، پھر کفار کے ساتھ جہاد ہوا، بالآخر مکہ مکرمہ بھی فتح ہو گیا۔ کفر کو شکست ہوئی۔ جزیرۃ العرب سارا اسلام کے زیرنگیں آ گیا۔ اور عہد خلافت راشدہ میں اتنی بڑی ریاست بنی کہ اس کی حدود سائبیریا سے افریقہ تک، چین اور جاپان سے لے کر امریکا تک اور ہسپانیہ تک تھیں۔ دنیا کی دولت بھی اُنہیں اللہ کریم نے حلال وسائل سے اور غنیمت کے مال سے خوب دی۔ قیصر و کسریٰ کے خزانے اور یمن کے خزانے جب صحابہؓ کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے تو صحابہؓ انتہائی دولت مند ہو گئے۔ ساری عظمت، ریاست اور یہ سارا مال و دولت جو انہیں غنیمت میں حاصل ہوا یہ ان کے اُس خلوص پر دلالت کرتا ہے، جس خلوص پر اللہ نے دنیا کی کامیابی کا وعدہ فرمایا تھا۔ "وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ " اور رہی آخرت کی بات تو فرمایا! یہ دنیا کا مال و دولت اور دنیا کی کامیابی اور بہت بڑی ریاست یہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں یعنی آخرت کا اجر تو اس سے کہیں بہت بڑا ہے، جس کو تم دنیا میں رہ کر سمجھ بھی نہیں سکتے، جان بھی نہیں سکتے اور سوچ بھی نہیں سکتے۔ آخرت کا اجر بہت عظیم ہوگا تمہاری سوچوں سے، تمہاری فکر سے، تمہارے علم سے بالاتر ہوگا۔ کاش! لوگ اس بات کو سمجھ سکتے۔

کہیں بھی، جہاں بھی دنیوی سہولتیں یا دنیوی منافع، دنیا کی دولت، عزت، شہرت، حکومت، اقتدار و مناصب اللہ کے دین کو چھوڑ کر ملتا ہو اور اُس عہدے اور اس مال و دولت کے ساتھ دین جاتا رہتا ہو تو اُسے چھوڑنا واجب ہوگا فرض ہوگا۔ دین کو رکھنا ضرور ہے۔

تو ہجرت جسمانی بھی ہے جس طرح صحابہ کرامؓ نے کی اور ہجرت فعلی بھی ہے کہ بندہ وہ جگہ تو نہ چھوڑ سکے لیکن اُن چیزوں کو چھوڑ دے، اُن سے ہجرت کرے اور اللہ کے دین کے ساتھ قائم رہے۔ اللہ کے دین پر ثابت قدم رہے۔ جیسا آج ہے۔ دنیا میں چھپن کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں۔ بہت کم ایسی ریاستیں ہیں جہاں دین پر عمل کرنا آسان ہے۔ اسلامی ریاستوں میں بھی رسومات اور رواجات اور قاعدے اور ضوابط وہی کافرانہ چل رہے ہیں۔ خود ہمارے وطن عزیز میں وہی Penal code چل رہا ہے جو انگریز نے بنایا تھا۔ وہی تعلیمی نظام ہے بلکہ اس سے بدتر ہے۔ جو انگریز نے بنایا تھا۔ معاشی نظام سود پر استوار ہے۔ یہ ساری چیزیں اب اسلامی ریاستوں میں بھی ہیں۔ تو اگر کوئی یہاں رہتا ہے اور ان چیزوں سے بچتا ہے اور انہیں چھوڑ دیتا ہے اور ان کے لالچ میں نہیں آتا تو اُس نے بھی جسمانی نہ سہی لیکن عملی طور پر، عقیدے کے طور پر اس نے بھی ہجرت کر لی۔ وہ بھی ہجرت کے اجر کا مستحق ہو گیا۔

علماء لکھتے ہیں کہ کسی کو کسی علاقے کی آب و ہوا راس نہ آئے اسے بیماریاں گھیر لیں اور بندہ مومن وہاں سے ہجرت کر لے تا کہ کسی ایسے علاقے میں رہ سکے جہاں وہ تندرست رہے اور اللہ کو یاد کر سکے اللہ کی عبادت کر سکے اور دینی احکام پر عمل پیرا ہو سکے۔ اس نیت سے وہاں چلا جائے تو وہ ہجرت بھی اللہ کے لئے ہوگی۔ لیکن ہر ہجرت کا اپنا مقام و مرتبہ ہے۔

جنہوں نے رسول ﷺ کے حکم پر ہجرت کی اور آپ ﷺ کی رفاقت کے لئے ہجرت کی اُن کا اپنا مقام ہے جنہوں نے دین کے لئے ہجرت کی اُن کا اپنا مقام ہے۔ لیکن وطن چھوڑنے کا سبب اللہ کی رضا، اللہ کی طلب اور اللہ کا دین ہو تو وہ ہجرت ہوگی۔ ہجرت پر قیامت تک کے لئے یہ وعدہ ہے کہ جو بھی اللہ کے لئے ایک زمین چھوڑ کر دوسری طرف جائے گا اللہ اُسے بہترین ٹھکانہ عطا فرمائے گا۔ امت مرحومہ میں اس کی ابتداء صحابہ کرامؓ سے ہوئی تو تاریخ گواہ ہے کہ اللہ نے انہیں کتنی بڑی ریاست عطا فرمائی۔ دنیا کی دولت اور آرام و سکون عطا فرمایا لیکن وہ ایسے لوگ تھے کہ جس طرح غربت و افلاس میں اللہ کو یاد کرتے تھے

امارت وحکومت میں اُس سے زیادہ یاد کرتے تھے اور اُس کا شکر ادا کرتے تھے۔ جتنا اتباع نبی کریم ﷺ کا پہلے کرتے تھے اس سے ان کے خلوص اور اُن کے عمل میں زیادتی ہوتی گئی کمی نہیں آئی۔ وہ دولت انہیں تن آسانی کی طرف نہیں لے گئی بلکہ مزید اللہ کے شکر اور اللہ کی رضا کے حصول میں محنت کی طرف لے گئی۔ یہ تو دنیوی انعامات ہیں جو ہجرت پر ہیں اور صحابہ کرامؓ کے خلوص اور صداقت پر گواہ ہیں۔ پوری تاریخ اس پر گواہ ہے۔ رہی آخرت! تو مہاجرین کے لئے آخرت کا اجر بہت بڑا ہے اتنا بڑا کہ تم دنیا میں رہتے ہوئے اُسے سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اس مادی دماغ سے، مادی علوم سے اس کی حدود متعین نہیں کرسکتے۔ جب کوئی وہاں جائے گا دیکھے گا تو پتہ چلے گا۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (42) جن لوگوں نے صبر کیا اور اللہ پر توکل کیا۔ صبر یہ تھا کہ دنیا کی ہر مصیبت کے مقابلے میں اطاعت الٰہی پر جمے رہے۔ صبر کا معنی ہوتا ہے رُک جانا۔ تو انہوں نے دین پر استقامت دکھائی خواہ کتنی تکلیفیں آئیں، کتنی مخالفت ہوئی، کتنی ایذا پہنچائی گئی، کتنے دکھ پہنچائے گئے لیکن وہ دین پر قائم رہے اور جب انہوں نے ہجرت کی تو کسی کا کوئی سہارا مادی یا دنیوی نہیں تھا کہ فلاں کے پاس چلے جائیں گے۔ محض اللہ کے بھروسے پر گھر سے نکل پڑے نہ کوئی مال اسباب لیا، نہ کوئی دولت لی، نہ کوئی وسائل اختیار کئے محض اللہ کے بھروسے پر گھر سے نکل پڑے۔

کفار کا اعتراض یہ تھا کہ ہمارے آباؤ اجداد کے عقائد اور نظریات ورواجات کی یہ نفی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس بھی کوئی مافوق الفطرت مخلوق تو نہیں ہے جو ان کی رہنمائی کرے۔ ہم جیسے انسان ہی ہیں۔ نبی کریم ﷺ بھی تو انسان ہی ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں، آرام فرماتے ہیں، گرمی، سردی محسوس کرتے ہیں تو جیسے ہم انسان ہیں۔ ایک ہمارے جیسا ہی انسان کیسے نبیؑ ہوسکتا ہے؟ کیسے راہنمائی کرسکتا ہے۔ ایک آدمی کے کہنے پر ہم اپنے اجداد کا پانچ سو سالہ قدیم مذہب چھوڑ دیں، اُسے چھوڑ دیں جو ہمارے آباؤ اجداد کرتے آرہے ہیں تو گویا یہ مان لیں کہ ہمارے اجداد گمراہ رہے اور یہ ایک آدمی سچا ہے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یا تو کوئی مافوق الفطرت مخلوق ہوتی، کوئی فرشتہ ہوتا انسانوں سے بالاتر کوئی مخلوق ہوتی وہ بات کرتی کہ میں نبیؑ ہوں تو بات سمجھ میں آنے والی تھی اس اعتراض پر فرمایا گیا! کہ حضور اکرم ﷺ کوئی پہلے نبیؑ نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ آخری نبیؑ ہیں۔ کم وبیش سوا لاکھ کے قریب انبیاء کرامؑ دنیا سے گزرے اُن کے حالات وواقعات موجود ہیں، قدیم کتابیں موجود ہیں۔ قدیم کتابوں کے عالم موجود ہیں۔ ذرا اُن سے پوچھو کہ آپ ﷺ سے پہلے جو نبیؑ بھیجے گئے وہ انسان نہیں تھے؟ جتنے نبیؑ آپ ﷺ سے پہلے مبعوث ہوئے وہ بھی تو انسان تھے یہ شرف تو صرف انسانیت کو عطا ہوا ہے کہ اُسے اللہ کی طرف سے نبوت عطا ہوگئی۔ کسی دوسری مخلوق کو تو یہ شرف ہی نہیں ملا۔ پھر اگر کوئی دوسری مخلوق ہوتی۔ بالفرض اگر فرشتہ ہوتا تو فرشتہ رہتا تو اس کی بات کون سنتا؟ اُسے کون دیکھ سکتا؟ پھر وہی مسئلہ آجاتا کہ وہ انسانی روپ میں آتا، انسانی لباس پہنتا، انسانوں میں رہتا، انسانوں سے باتیں کرتا تو پھر کیا نتیجہ نکلتا؟ پھر کہتے یہ بھی ہم جیسا ہی انسان ہے پھر اس کا کیا فائدہ؟ لہٰذا جو یہ کہہ رہے ہیں فضول بات ہے۔ کفار کا یہ خیال تھا کہ نبیؑ ہونے کے لئے انسانوں سے بالاتر کوئی اور دوسری مخلوق ہونی چاہیے۔ جسے انسانی ضرورتیں اور انسانی حاجات نہ ہوں۔

شیطان نے اس گمراہی کو دوسری صورت میں پلٹ دیا ہے۔ اب لوگ حضور ﷺ کی نبوت کے تو قائل ہیں، بشریت کے قائل نہیں کہ نبیؑ بشر نہیں۔ تو بات تو ایک ہی ہوگئی۔ بشریت کا انکار کریں گے تو نبوت کا انکار بھی لازم آئے گا کہ کوئی فرشتہ تو نبیؑ ہوا نہیں کہ جیسے ہم بشر ہیں۔ نبیؑ بھی ایسے ہی بشر ہوتے ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ ہر فرد کی بشریت اپنی ہے۔ آدمؑ کی اولاد میں ہے، انسان ہے بشر ہے، لیکن انبیاءؑ کی بشریت اپنی ہوتی ہے اور بہت منزہ، بہت پاکیزہ، بہت لطیف ہوتی ہے اور حضور اکرم ﷺ تو خیر البشر ہیں۔ معراج بشریت ہیں۔ وجود کی بشری خصوصیات اور بشری تقاضے تو سب انسان کے ایک جیسے ہیں، ہمارے بھی انبیاءؑ کے بھی، صحابہ کرامؓ کے بھی، اولیاء کے صلحاء کے بھی، لیکن

معراج پر تو نبی کریم ﷺ ہی تشریف لے گئے کوئی اور تو نہیں گیا۔ آپ ﷺ کا وجود عالی بھی اتنا پاکیزہ، اتنا منزہ، اتنا لطیف تھا کہ جہاں روحوں کا پہنچنا بغیر انعامات الٰہی کے ممکن نہیں اور بہت کم لوگ ہیں جن کی روحوں کو یہ سعادت نصیب ہوئی وہاں حضور ﷺ کا جسم مبارک تشریف لے گیا۔ اب جسم ہمارا بھی ہے، جسم حضور ﷺ کا بھی ہے۔ تو کیا ہم بجائے یہ ماننے کے، یہ مانیں کہ آپ ﷺ کا جسم ہے ہی نہیں۔ ہمارا تو جسم ہے حضور ﷺ کا نہیں تو یہ کیا بات ہوئی؟ ہم بشر ہیں حضور ﷺ بشر نہیں ہیں یہ کیا بات ہوئی؟ اسی طرح حضور ﷺ کو نور ماننا کہ حضور ﷺ کی ذات کے ساتھ ہی سارا نورِ ہدایت وابستہ ہے اور آپ ﷺ ہی وہ سورج ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُفق اعلیٰ پر قائم ہے اور آپ ﷺ کے طفیل دنیا میں نور پھیل رہا ہے، ہدایت کا نور، اللہ کے قرب کا نور، اللہ کی عبادت کا نور، اللہ کی معرفت کا نور یہ تو درست ہے۔ لیکن اسے خلط ملط کر دینا کہ حضور ﷺ بشر ہیں ہی نہیں صرف نور ہیں تو یہ زیادتی ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ شرفِ بشریت ہی ہے کہ اُسے اللہ کا اتنا قرب نصیب ہوا اور انسان اشرف المخلوقات محض اس وجہ سے ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق میں صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے معرفتِ باری کا شعور اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ اسی لئے دوسری کسی مخلوق میں نبوت نہیں، رسالت نہیں۔ تو فرمایا! ان سے کہو کہ پہلی امتوں کے علماء بھی ہیں، پڑھے لکھے لوگ بھی ہیں۔ اُن سے پوچھ لو۔ اُن کے انبیاءؑ کیسے تھے کیا وہ انسان نہیں تھے کیا وہ بشر نہیں تھے؟ تو ہم نے جب بھی کوئی نبیؑ مبعوث فرمایا اِلَّا رِجَالًا مردوں ہی کو نبیؑ بنایا۔ یہاں اس بات کی بھی نفی ہو گئی کہ کوئی عورت نبی ہوئی۔ کیونکہ اللہ کریم نے انسان نہیں فرمایا! مرد فرمایا۔ جہاں بھی نبیؑ مبعوث ہوا وہ مردوں میں سے ہوا انسانوں میں سے ہوا، عالم بشریت میں سے ہوا تو اس سے یہ بھی استفادہ ہوا کہ کسی عورت کو نبوت عطا نہیں ہوئی۔ جب عورت کو نبوت عطا نہیں ہوئی۔ تو یہ مسئلہ بھی صاف ہو گیا کہ عورت امامت نہیں کر سکتی۔ آج کل رواج ہو گیا۔ عورتوں کو امامت کا بڑا شوق ہے۔ جمعۃ الوداع کو تو امامت کرواتی نظر آتی ہیں۔ کوئی سمجھائے تو کہتی ہیں ہم صف میں کھڑے ہو کر امامت کرتی ہیں۔ آگے نہیں کھڑی ہوتی ہیں۔ آگے کھڑے ہو جاؤ یا صف کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ۔ Lead تو تم کر رہی ہو۔ امامت کا مطلب ہوتا ہے Lead کرنا۔ آگے لگنا۔ تم تو تکبیر کہتی ہو تو سب رکوع کرتی ہیں، تم تکبیر کہتی ہو تو سب سجدہ کرتی ہیں تو امامت تم پیچھے کھڑے ہو کر دو یا آگے کھڑے ہو کر بات ایک ہی ہے اور عورت کی امامت جائز نہیں ہے۔ اگر عورت امامت کرے تو اُس کی اپنی نماز نہیں ہوتی، تو اُس کے پیچھے پڑھنے والیوں کی نماز کہاں ہوگی۔

اسی طرح رمضان شریف کا بہت بڑا فقہی مسئلہ ہے یہ کہ جہاں معاوضہ طے کر کے تراویح میں قرآن کریم سنایا جاتا ہے تو معاوضے پر سنانے والے امام کی اپنی نماز نہیں ہوتی یعنی جو نماز معاوضہ لے کر پڑھتا ہے یعنی کہ میں نماز تو پڑھاتا ہوں لیکن مجھے نماز پڑھانے کے اتنے پیسے دو تو اس کی اپنی نماز نہیں ہوتی۔ دوسروں کی کیا خاک ہوگی!۔ امام کی ہی نہیں ہوگی تو مقتدیوں کی کیا ہوگی۔

یہاں ایک گاؤں والوں نے ہمیں کہا کہ ہمیں ایک حافظ دیں تراویح میں ہمیں قرآن سنائے۔ ہم نے کہا ہمارے پاس دوست آجاتے ہیں، حافظ آجاتے ہیں اللہ کے بندے، تو ایک حافظ تمہیں دے دیں گے، تمہیں قرآن سنا دے گا۔ پوچھنے لگے وہ کتنے پیسے لے گا؟ میں نے کہا یہاں تو جو آتا ہے اللہ کے لئے پڑھتا ہے۔ پیسوں کے لئے نہیں پڑھتا۔ آپ کو قرآن سنا دے گا۔ پیسے نہیں لے گا۔ فرمانے لگے پیسے نہیں لے گا تو پھر ہم اس سے نہیں سنیں گے اور انہوں نے نہیں لیا۔ اس قدر یہ برائی جڑ پکڑ گئی ہے اور بعض مدارس کے سربراہان نے بھی یہ پیشہ بنا رکھا کہ رمضان میں تمام شاگردوں کو اِدھر اُدھر پھیلا دیا۔ پھر اُن کے طفیل پیسے جمع کئے۔ پیسے لے کر تراویح کی امامت کرنا ناجائز ہے۔ عمومی امامت جو سارا سال کرتے ہیں یا خطیب جو جمعہ پڑھاتے ہیں ان کے بارے فقہا کا فتویٰ ہے کہ اُن کو نماز پڑھانے کی اجرت نہیں دی جاتی بلکہ ان کو جو وقت کا پابند کیا جاتا ہے۔ اسی وقت میں وہ کوئی اور مزدوری نہیں

کر سکتے لہٰذا اس وقت کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ امام مسجد جو مستقل ہے اُسے بھی امامت کی یا نماز پڑھانے کی تنخواہ نہیں دی جاتی۔ اس کے وقت کا معاوضہ دیا جاتا ہے جس وقت کے لئے اُسے پابند کیا جاتا ہے ورنہ نماز تو اُس پر خود بھی فرض ہے۔ اُس کی اُجرت کیا لے گا اور اجرت پر نماز پڑھائے گا تو اس کی اپنی نماز نہیں ہوگی لہٰذا نماز کی اُجرت نہیں ہوتی۔ اب ہمارے قاری صاحب ڈیرہ غازی خان سے آکر یہاں بیٹھے ہیں یہاں یہ کیا کریں گے؟ کہاں سے کھائیں گے۔ ان کا وقت بھی ہم نے لے لیا، مزدوری کا وقت بھی ہم نے لے لیا۔ ملازمت بھی کہیں اور نہیں کر سکتے تو لامحالہ انہیں اس وقت کی اجرت دی جائے نماز پڑھانے کی نہیں۔ اور ایک اور بات یہ بھی علماء لکھتے ہیں کہ "المعروف کالمشروط" جو چیز مشہور ہو وہ طے شدہ ہوتی ہے مثلاً کوئی اجرت طے کرتا ہے کہ تم مجھے دس ہزار دو گے میں تراویح پڑھاتا ہوں اور کوئی طے نہیں کرتا اُسے پتہ ہے مجھے دس ہزار سے زیادہ مل جائے گا۔ ایک طے شدہ بات ہے کہ جہاں آپ نماز پڑھاتے ہیں وہاں پیسے ملتے ہیں۔ تراویح پڑھاتے ہیں تو عید پر پیسے ملتے ہیں تو وہ اگر طے نہ بھی کرے تو وہ طے کرنے کے مطابق ہی ہوگا جیسے یہاں ہر کسی کو پتہ ہے کہ نور پور کا کرایہ دس روپے ہے وہ پہلے گاڑی والے سے طے کرے یا نہ کرے "المعروف کالمشروط" جو بات مشہور ہوتی ہے وہ مشروط ہی کی طرح ہوتی ہے۔ یہ اُسے بھی پتہ ہے، گاڑی والے کو بھی پتہ ہے، سواری کو بھی پتہ ہے کتنا کرایہ ہے۔ تو اسی طرح اگر کوئی بغیر طے کئے لیکن اس اُمید پر پڑھائے گا کہ پیسے ملیں گے تو وہ نماز نہیں ہوگی۔ عورت امامت کرے گی تو نماز نہیں ہوگی کیونکہ عورتوں کو تو امامت کا فریضہ نہیں دیا گیا وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْہِمْ آپ ﷺ سے پہلے وہ تمام لوگ جن پر وحی نازل فرمائی وہ سارے مرد تھے انسان تھے اب یہاں قرآن کریم نے انسان میں سے بھی مرد کی تخصیص فرمائی کہ یہ طے ہو جائے کہ کسی خاتون کو نبوت عطا نہیں ہوئی۔ "فَسْئَلُوْٓا اَہْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ(43)" اگر تم نہیں جانتے تو کسی جاننے والے سے، اہل علم سے پوچھ کر تصدیق کر لو۔ تاریخ عالم تمہارے سامنے ہے۔ مذاہب عالم تمہارے سامنے ہیں، پہلی امت پر نازل ہونے والی کتابیں تمہارے سامنے ہیں تلاش کرو! کیا کوئی فرشتہ آیا تھا کہیں کوئی کتاب لے کر یا کسی خاتون کو کوئی کتاب دی گئی۔ سارے مرد تھے، انسان تھے، بشر تھے، اولاد آدم میں سے تھے یہی لوگ بِالْبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ اللہ کی طرف سے دلائل اور کتب لے کر دنیا میں تشریف لائے اور اللہ کی نبوت کا اعلان فرمایا اور اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ "وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ" اسی طرح آپ ﷺ پر بھی کتاب نازل فرمائی جو نصیحت ہے روشن دلائل سے بھری ہوئی ہے، ہر برائی سے بچانے کا اور ہر نیکی کا پتہ دینے کا سبب ہے اور آپ ﷺ کا فرض منصبی یہی ہے۔ فرض رسالت و نبوت یہ ہے کہ "لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ" کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتائیں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا ہے۔ تو یہ دلیل اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے کہ قرآن کریم کا وہ مفہوم، وہ تفسیر، وہ معنی معتبر ہوگا جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا منصب عالی ہے۔ عرب خود کو بڑا اہل زبان اور عرب کے علاوہ دوسری دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ جب قرآن کی آیات نازل ہوتی تھی اور حضور ﷺ پوچھتے کہ آپ لوگوں نے سمجھا کہ اس سے مراد کیا ہے؟ تو اہل زبان، تاریخ دان، بڑے بڑے شاعر ادیب و دانشور سادہ سی بات عرض کیا کرتے تھے۔ "اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ" اللہ اور اُس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ جو آپ ﷺ اس کی شرح فرمائیں گے وہی صحیح ہے۔ سو جتنے فرقے بن گئے ہیں وہ اپنی من پسند ہیں۔ پچھلے دنوں کسی میڈیا پرسن نے سوال کیا تھا کہ اسلام میں فرقے بہت ہیں؟ میں نے کہا نہیں اسلام میں کوئی فرقہ نہیں۔ فرق یہاں پڑتا ہے کہ جب لوگ اپنی مرضی سے قرآن کی تشریح کرتے ہیں۔ جو تشریح نبی کریم ﷺ نے فرمائی اُس سے ہٹ جاتے ہیں تو فرقہ بن جاتا ہے۔ ورنہ اسلام میں فرقہ نہیں۔ اسلام سے نکل کر فرقہ بنتا ہے۔ یعنی جب کوئی اطاعتِ رسالت ﷺ سے نکل کر اپنی رائے کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اسلام میں تو نہ ہوا۔ اسلام

میں تو کوئی فرقہ نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ایک سیدھا خط کھینچا اور اس کے اردگرد بہت سے خط کھینچ دیے اور فرمایا! یہ سیدھا راستہ جو ہے اللہ کا ہے اس کے دائیں بائیں بے شمار اور راستے نکل سکتے ہیں لیکن وہ اللہ کے نہیں ہیں۔ تو جتنے فرقے ہیں وہ اسلام سے باہر ہیں۔ اسلام کے اندر ایک ہی فرقہ ہے جو نبی کریم ﷺ کا اتباع کرتا ہے اور قرآن کی وہ تفسیر اختیار کرتا ہے جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ محض عربی دانی سے، گرائمر کے زور سے، صرف ونحو کے زور سے قرآن کریم کے معنی کرنا درست نہیں ہے اس میں لوگوں کی آرا آجاتی ہیں۔ صرف وہ تفسیر وہ معنی قابل قبول، قابل اتباع ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمائے ہیں۔ اس سے دوسری بات بھی یہ سمجھ میں آگئی کہ حدیث رسول ﷺ بھی قرآن ہی ہے۔ قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے اور قرآن ہی کی طرح واجب اتباع ہے۔ قرآن وحی الٰہی ہے۔ الفاظ بھی اور معنی بھی اللہ کے ہیں۔ حدیث وحی الٰہی ہے لیکن حکم اللہ کا ہے۔ الفاظ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ قرآن اور حدیث میں یہ فرق ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔ مفاہیم بھی اللہ کی طرف سے ہیں، حدیث کا مفہوم اللہ کی طرف سے ہے اور الفاظ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہیں۔ جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے تو جس طرح قرآن کا ماننا فرض ہے اُس طرح حدیث پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ جس طرح قرآن کا انکار کفر ہے اُسی طرح حدیث کا انکار بھی کفر ہے۔

اس پر بھی بڑی تنقید ہوئی ہے کہ آپ تقلید کیوں کرتے ہیں؟ جب تقلید کرتے ہیں تو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت تو نہ رہی۔ فقہی امام کی اطاعت ہوگی۔ پھر تقلید میں یہ بھی پابندی ہے کہ ایک ہی امام کی تقلید کریں۔ یہ کیا ہے؟ سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ ایمانیات اور عقیدے میں کوئی تقلید نہیں ہر شخص کا عقیدہ اپنا ہے۔ کتنا غلط ہے کتنا صحیح ہے وہ خود ذمہ دار ہے۔ تقلید ہے احکام شریعت میں، فقہ میں۔ اب ہر فرد تو احکام شریعت تو نہیں جانتا کسی سے سیکھنا پڑتے ہیں۔ ہمارے جو حضرات خود کو غیر مقلد کہلاتے ہیں کیا تقلید نہیں کرتے کیا ان کا ہر فرد عالم ہے؟ اور خود دین جانتا ہے؟ ان میں بھی عالم چند ہوتے ہیں اور باقی مخلوق ان پڑھ ہوتی ہے تو علماء سے پوچھ کر ہی عمل کرتے ہیں۔ پھر بعض مقامات ایسے آجاتے ہیں جہاں قرآن میں واضح حکم نہیں ملتا وہاں وہ سنت کا حکم اختیار کرتے ہیں۔ سنت میں نہیں ملتا تو پھر تلاش کرنا پڑتا ہے سلف صالحین کے حالات سے۔ اسے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ قرآن کے حکم کے دائرہ کار کے اندر ہو، حدیث کے دائرہ کار کے اندر ہو اُس کی مثل کوئی کام متقدمین کے عہد میں ہوا اور انہوں نے کیسے کیا اس کے مطابق کیا جائے تو اسے کہتے ہیں "اجتہاد"۔ اب اجتہاد کے لئے شرط یہ ہے کہ مجتہد قرآن کا عالم ہو، قرآن کے معنی، کا تفسیر کا، صرف نحو کا، حدیث کا پورا علم رکھتا ہو اور فنون حدیث کا پورا علم رکھتا ہو، وہ حدیث کو جانچنے کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔ متقدمین کے حالات اور تاریخ سے پوری طرح آگاہ ہو۔ ان شعبوں سے اُس کا سینہ منور ہو تو پھر وہ اجتہاد کر سکتا ہے۔ ماشما نہیں کر سکتا۔ جہاں کوئی ایسی بات آئی مجتہد کے پاس جانا پڑے گا تو تقلید تو مجبوری ہوگئی۔ مجتہدین اگر زیادہ ہیں تو سارے مجتہدین انسان ہیں اپنی اپنی رائے کے مطابق پورے خلوص نیت سے کسی فیصلے پر پہنچتے ہیں تو اُن کے فیصلوں میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

اس پر علماء نے قید لگائی ہے کہ آپ کسی ایک مجتہد کا دامن تھام لیں۔ سوال ہوتا ہے کہ دوسرے مجتہد کا کیوں نہیں؟ دوسرے بھی مجتہد ہیں لیکن اگر یہ اجازت دے دی جائے کہ جس مجتہد کی چاہے تقلید کر لو تو پھر لوگ آسانیاں تلاش کریں گے۔ جس مجتہد کی طرف آسانی ہوگی ایک مسئلے میں اس کو اختیار کر لیں گے دوسرے مسئلے میں دوسری طرف آسانی ہوگی تو وہاں اُدھر چلے جائیں گے۔ لہٰذا یہ قید علماء نے لگائی کہ کسی ایک مجتہد جس کو چاہیں اُس کی تقلید کر لیں اور اُس پہ قائم رہیں تاکہ مقصد اطاعت الٰہی اور اتباع رسالت ﷺ ہو۔ خواہش نفس کی پیروی نہ بن جائے۔ تو یہ مجتہدین کی تقلید کوئی فرقہ بندی نہیں ہے۔ فرقے وہاں الگ ہوتے ہیں جہاں عقائد میں کوئی تفریق آجائے۔ احکام شریعت میں فقہی اختلاف فضیلت میں ہے۔ ایک امام فقہ کہتے ہیں کہ ہر تکبیر پہ ہاتھ اٹھایا جائے۔ دوسرے فرماتے ہیں کہ نہیں تکبیر اولیٰ پر ہاتھ اٹھایا جائے وہ کافی ہے۔ حکم کی تعمیل ہوگئی تو دونوں عمل باعث ثواب ہیں لیکن دونوں میں سے جس کی چاہیں اتباع کر لیں لیکن پھر باقی احکام میں بھی اُسی کا اتباع کریں۔ یہ نہ ہو کہ جدھر اپنے نفس کے مطابق آسانی نظر آئے اُدھر چلے

گئے۔اس لئے پابند کیا گیا ورنہ تقلید کی حیثیت صرف یہ ہے کہ مسئلہ نہیں جانتا کسی سے پوچھ لے۔اب جو تقلید نہیں کرتے وہ ماوشما سے پوچھ لیتے ہیں جو تقلید کرتے ہیں وہ آئمہ مجتہدین میں سے کسی سے پوچھ لیتے ہیں تو پھر بہتر تو وہ رہے جو مجتہدین میں سے کسی سے پوچھ لیتے ہیں اور اس کا حکم بھی ہے کہ فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (43) اگر تم نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے، اہل علم سے، سمجھنے والوں سے پوچھ لو۔ تقلید مسائل فقہ میں ہوتی ہے، اعمال میں ہوتی ہے، ایمانیات میں نہیں ہوتی۔ایمان تو ہر فرد کا اپنا اپنا ہے۔"وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاس" آپ ﷺ پر قرآن کریم نازل کیا گیا اور یہ منصب جلیلہ آپ ﷺ کا ہی ہے کہ آپ لوگوں کو بتائیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔اس سے کیا مراد ہے؟ بتائیں کہ جو حکم نازل ہوا ہے اس پر عمل کس طرح ہوگا۔ یہ جو عقیدہ نازل ہوا ہے اس کو کس طرح مانا جائے گا۔ یہ تفصیل بتانا آپ ﷺ کا فرض منصبی ہے۔لہٰذا آپ ﷺ کی ساری زندگی، آپ ﷺ کا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔آپ ﷺ کا ہر ارشاد قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث بھی قرآن کی تفسیر ہے۔آپ ﷺ کا ہر عمل بھی قرآن ہی کی تفسیر ہے۔کسی نے سوال کیا تھا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر کہ حضور نبی کریم ﷺ کے خلق کریمانہ، اخلاق عالیہ کیسے تھے ارشاد فرمائیں۔تو آپؓ نے بڑا خوبصورت اور مختصر ترین اور صحیح ترین جواب یہ ارشاد فرمایا تھا! کان خلقه القرآن آپ ﷺ کے اخلاق عالی قرآن کے مطابق تھے۔قرآن پڑھتے جاؤ آپ کو اخلاق عالی کی سمجھ آتی جائے گی۔گویا آپ ﷺ کی عملی زندگی بھی قرآن کی تفسیر تھی۔آپ ﷺ کا ارشاد فرمانا، حدیث بھی قرآن کی تفسیر تھی اور اس پر ایمان نہ لانا اور اس کا انکار کرنا کفر ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے اور جس طرح قرآن پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے، اسی طرح حدیث پر ایمان لانا فرض ہے اور اُس کا انکار کفر ہے۔یہ بجا ہے کہ جس کو اللہ نے علم دیا وہ چھان پھٹک کرے تحقیق کرے اور صحیح حدیث کو نکال لے اور یہ کام آئمہ حدیث نے بہت خوبی سے کر دیا اور بڑے درجے مقرر کر دیے۔یہ صحیح ہے، یہ حسن ہے، یہ ضعیف ہے، یہ وضعی ہے ان کے درجے مقرر کر دیے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا اور یہ سب اس لئے کیا۔ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (44) آپ ﷺ کا مبعوث ہونا، پہلے انبیاء کا تشریف لانا، انسانوں میں ہونا، اللہ کی طرف سے کتابوں کا عطا ہونا۔ آپ ﷺ کا قرآن اور قرآن کی تفسیر عطا فرمانا یہ کس لئے ہے؟ یہ اس لئے ہے کہ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ کہ لوگ بیٹھ کر سوچیں تو سہی۔اس پر تفکر تو کریں کبھی یہ سوچنے کی تکلیف بھی گوارا تو کریں کہ نبیؑ کی ضرورت کیا تھی؟ اللہ نے نبیؑ کیوں مبعوث فرمائے؟ پھر اللہ نے نبیؑ انسانوں میں ہی سے کیوں مبعوث فرمائے؟ پھر ہم نبیؑ کی ہی بات کیوں مانیں؟ ہر نبیؑ کا وجود رحمت الٰہی تھا۔اللہ نے زمین پر اپنی عظمت کی بے شمار نشانیاں بکھیر دی ہیں اس کے باوجود اُس نے نبیؑ بھیجا کہ ہر بندہ اپنی طرف سے فکر کر کے نہیں سمجھ سکتا اُس کی مدد کی جائے اور اسے اللہ کا رسولؑ اور اللہ کا نبیؑ دلائل عطا فرمائیں۔یہ اس کا مزید کرم ہے۔نبیؑ انسانوں میں سے اس لئے تھے کہ اگر فرشتوں کو نبوت عطا ہوتی تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ بھئی آپ تو فرشتے ہیں ساری رات جاگ بھی سکتے ہیں آپ تو فرشتے ہیں روزہ پورا مہینہ رکھیں تو آپ نے تو نہ کھانا ہے نہ پینا ہے۔آپ تو فرشتے ہیں کون اتباع کرے گا۔اگر نبیؑ فرشتہ ہوتا تو فرشتے کو دیکھتا کون؟ اس کی بات کون سنتا؟ پہلے تو لوگوں میں یہ استعداد پیدا ہوتی کہ وہ فرشتوں کو دیکھ سکتے۔

دعوت الی اللہ تو زیادہ کفار کی طرف ہوتی ہے یہ تو اب رواج ہو گیا ہے کہ مسلمان مسلمانوں کو ہی دعوت دیتے رہیں۔یعنی مسلمان اتنے گر گئے ہیں کہ اب ایک دوسرے کو ہی دعوت دے رہے ہیں۔دعوت الی اللہ غیر مسلم کو دی جاتی ہے اور یہی سنت انبیاءؑ ہے۔کوئی نبیؑ یا آقائے نامدار ﷺ آپ دیکھیں گے پوری زندگی میں کسی مسلمان کے گھر تبلیغ کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔بڑے بڑے کافروں، کفار کے سرداروں، کفار کے میلوں میں تشریف لے گئے، کفار کی آبادیوں میں تشریف لے گئے کیونکہ تبلیغ ہوتی ہی اُن کو ہے جس کا اللہ پر اور اللہ کے نبیؑ پر ایمان نہیں۔ ان کو دعوت اللہ کی طرف، اللہ کے نبیؑ کی طرف، اللہ کی کتاب کی طرف

دی جائے۔ تو یہ مزید اللہ کا احسان ہوا کہ لوگوں کو یہ اعتراض نہیں کہ نبی جو کر سکتا ہے ہم نہیں کر سکتے۔ نبیؐ تو فرشتہ ہے ہم تو انسان ہیں ہم کیسے کر سکتے ہیں؟ نبیؐ بھی انسان ہے، اس کو بھی دُکھ سُکھ ہوتا ہے، اس کے بھی رشتہ دار ہیں، دوست ہیں، ساری انسانی ضرورتیں نبیؐ کے ساتھ ہیں اُن کے تقاضے شریعت کے مطابق پورے کر کے ان کو بیلنس رکھ کے اللہ کی اطاعت پر ساری عمر چلتا ہے تو دوسرا بھی چل سکتا ہے۔ پھر اللہ کے نبیؐ کی زندگی عوام کی سطح پر گذرتی ہے۔ ہم نے تو یہ سوچ بنا رکھی ہے کہ اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں جو جنگلوں میں رہتے ہیں۔ اُن کا کوئی گھر بار نہیں ہوتا اور وہ کھاتے پیتے نہیں اور وہ گھاس کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ نہیں! جتنا کوئی ولی کامل ہوتا ہے اتنی اس کی زندگی عام آدمی کی طرح ہوتی جاتی ہے اور یہی سنت انبیاءؑ ہے۔ سب سے زیادہ عام آدمی جیسی زندگی اللہ کے نبیؐ کی ہوتی ہے اسی لئے ہر آدمی پر حضور ﷺ کا اتباع فرض ہے۔ یہ نہیں کہ پڑھے لکھے اتباع کریں یا صحت مند اتباع کریں نہیں! ہر آدمی پر اس لئے فرض ہے کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ بالکل عام سطح پر تھی۔ کھانا، پینا، اٹھنا بیٹھنا، رہنا، جاگنا، دوستی دشمنی، جو طرزِ عمل آپ ﷺ کا حیات عالی میں تھا بالکل اس جیسا طرزِ عمل ہر بندہ اختیار کر سکتا ہے۔ اولیاء کی عظمت بھی یہی ہے کہ واقعتاً ان کے پاس ولایت الٰہی ہو، مراقبات ہوں، اللہ کی طرف سے انعامات ہوں لیکن عام آدمیوں میں ان کی تمیز نہ ہو سکے۔ عام آدمی جس طرزِ حیات پر رہتے ہیں وہی فرد نظر آئے تو یہ اس کا کمال ہے اور بیہوش ہو جانا، بے خبر ہو جانا، امور دنیا سے الگ ہو جانا یہ کمزوری کی دلیل ہے۔ یہ انبیاءؑ کو نہیں ہوئی۔ کسی نبیؐ پر سکر غالب نہیں آیا۔ سُکر ہوتا ہے حواس کا جاتے رہنا کسی ایک سمت سے بھی جاتے رہنا سکر ہے اور اس طرح سے یہ بے ہوشی انبیاءؑ پر نہیں آئی۔ یہ کمال نہیں ہے یہ کمزوری کی دلیل ہے کہ حالات سے مغلوب ہو کر ایک طرف کے ہو رہے اور باقی ساری دنیا چھوٹ گئی تو یہ کمال کی دلیل نہیں ہے۔ اگر اولیاء میں کوئی اس طرح ہو گیا تو یہ اُس کی کمزوری تھی ورنہ اولیاء کاملین بھی اس طرح رہتے ہیں جس طرح عام لوگوں میں اُن کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ سوائے اہل نظر کے کوئی نہیں پہچانتا اور یہ سارا اس لئے تھا کہ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (44) کہ سوچیں تو سہی آخر اللہ

نے کیوں نبیؐ بھیجا۔ نبیؐ کو کیوں فضیلت اتنی دی۔ اللہ نے نبیؐ کے سامنے دو عالم کھول دیے۔ اب ہر بندہ یہی دنیا دیکھ رہا ہے مادی آنکھوں سے، دل کی آنکھیں تو اُس کے پاس ہیں ہی نہیں۔ تو اللہ کے نبی علیہ السلام نے جب دعوت دی تو آپ ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر آواز دی، اہل مکہ اور لوگ جمع ہو گئے تو فرمایا! تم مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ انہوں نے کہا! ہم آپ ﷺ کو صادق اور امین سمجھتے ہیں ہم نے آپ ﷺ جیسا سچا بندہ کوئی نہیں دیکھا۔ امانت داری میں آپ ﷺ کا ثانی کوئی نہیں دیکھا! تو فرمایا! میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں۔ تمہاری طرف بھی میری نگاہ ہے اور پہاڑ کی دوسری طرف بھی میرے سامنے ہے جبکہ تمہارے سامنے صرف اپنی طرف ہے۔ دوسری طرف تم نہیں دیکھ سکتے۔ انہوں نے کہا! درست! فرمایا! اگر میں تمہیں کہوں! پہاڑ کی دوسری طرف ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونے کو ہے تو پھر؟ کہنے لگے ہم مان لیں گے اور اس کے دفاع کا انتظام کریں گے آپ ﷺ نے ہمیشہ سچ بولا، ہمیشہ امانت دار رہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا! اسی طرح دنیا اور آخرت کی بات میں تم سے کرتا ہوں کہ تمہیں دنیا نظر آ رہی ہے۔ میں تو تمہیں آخرت کی بات بھی بتا رہا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاؤ اور بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ اسی پر ابی لہب نے کہا تھا تَبًّا لَّکَ یہ ایک عمومی بد دعا تھی کہ آپ کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔ مراد یہ ہوتی تھی کہ آپ تباہ ہو جائیں۔ اس نے کہا! اس لئے آپ ﷺ نے ہمیں بلایا تھا۔ اس کے جواب میں سورۃ تبت نازل ہوئی۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ (تبت:1) یہ سورۃ اس کے جواب میں آئی تھی کہ اس دن ابی لہب نے کہا تھا۔ تو نبی ﷺ کی یہ حیثیت ہوتی ہے کہ دونوں عالم اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ عالم دنیا میں وہ عام انسانوں کی طرح رہ رہا ہوتا ہے، اس کی گرمی سردی، نیکی بدی، اس کے واقعات حالات، اقوام عالم کا کردار اس کے سامنے ہوتا ہے۔ دوسری طرف ساری آخرت بھی اُس کے سامنے ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو بتائی جاتی ہے۔ "وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ (44)" کبھی لوگ یہ بیٹھ کر سوچیں تو سہی اور پھر فیصلہ کریں کہ نبیؐ کی اطاعت کرنی چاہیے یا کہ نہیں۔ یہ تو گدھوں کی طرح زندگی گزار جاتے ہیں سوچنے کا تکلف بھی نہیں کرتے۔ تفکر بھی نہیں کرتے۔ برسہا برس کی عبادت سے لمحہ بھر کا تفکر جو ہے وہ زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

سورۃ ھود

حضرت شیخ امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

قولہ تعالیٰ: اَنُلۡزِمُکُمُوۡہَا وَاَنۡتُمۡ لَہَا کٰرِہُوۡنَ ھود:28

ترجمہ: تو کیا ہم اس کو تمہارے گلے مڑھ دیں اور تم اس سے نفرت کئے چلے جاؤ۔

"روح میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ منکر کو اہل اللہ سے استفادہ نہیں ہوسکتا اور جب تک وہ منکر رہے گا ان سے منتفع نہیں ہوسکتا۔"

فرماتے ہیں اسی طرح جس کے دل میں انکار ہو، دل سے عقیدت مند نہ ہو، اسے کسی ولی اللہ سے فائدہ نہیں ہوسکتا وہ برکات حاصل نہیں کرسکتا جب تک اس کے دل میں عقیدت نہ ہو۔ اور جب تک وہ منکر رہے گا منتفع نہیں ہوسکے گا، جب تک انکار رہے گا فائدہ نہیں ہوگا۔ میں نے یہاں تک دیکھا ہے کہ ضرورت نہیں ہوتی تعویذ دینے کی میں اس لیے لکھ دیتا ہوں کہ لوگ پھر بے دینوں کے پاس تعویذ لینے چلے جاتے ہیں وہاں پھر دولت بھی ضائع کرتے ہیں اور عقیدہ وایمان بھی ضائع کر بیٹھتے ہیں تو اس سے بچانے کے لیے دے دیتا ہوں لیکن اگر کسی کے دل میں عقیدت نہ ہو تو عجیب بات دیکھی ہے حالانکہ بے شمار لوگ بڑے بڑے خطرناک امراض سے صحت یاب ہوئے۔ کینسر کے مریض ٹھیک ہو جاتے ہیں بڑی بڑی خطرناک امراض یعنی ڈاکٹروں نے جواب دے دیا ہوتا ہے اللہ کے کلام سے بچ جاتے ہیں صحت ٹھیک ہو جاتی ہے۔ لیکن جس کے دل میں عقیدت نہ ہو اسے فائدہ نہ ہوتا۔

پچھلے دنوں بھی یہ حادثہ ہوا۔ ساتھیوں کو ایک عادت ہے کہ خود آئیں گے لیکن کہیں گے کہ فلاں رشتہ دار بھی بیمار ہے اسے بھی تعویذ دے دیں تو میں انہیں کہتا ہوں کہ وہ جو تمہارا رشتہ دار ہے اس کی بھی عقیدت کسی سے ہوگی اس کا بھی کوئی پیر ہوگا کسی کو وہ نیک سمجھتا ہوگا۔ اسے کہو اس سے لے۔ جب میرے ساتھ اس کا عقیدت کا تعلق نہیں تمہیں اپنا کام ہے تم وہ کرو دوسرے کے کیا لگتے ہو۔ یا اسے بتا دو کہ بھئی فائدہ ہوتا ہے اس کا دل مانے گا تو وہ بھی آ کر لے جائے گا۔ تو یہ نوٹ کر لیجئے کہ اپنا کام ضرور کیجئے اپنی ضرورت کی چیزیں لیجئے لیکن ہر ایک کے لیے نقش نہ لیتے پھرو۔ میرے ساتھ اس طرح نہ کیا کرو۔ ہر بندے کی کسی نہ کسی جگہ عقیدت ہوتی ہے اسے وہاں سے لینے دو۔

جواب بالمثل کا منافی مکارم اخلاق نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ اِنۡ تَسۡخَرُوۡا مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡکُمۡ کَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ھود:38

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم تم پر ہنستے ہیں جیسا تم ہم پر ہنستے ہو۔

"اس میں دلالت ہے اس پر کہ جواب بالمثل سے انتقام لینا مکارم اخلاق کے منافی نہیں۔"

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات میں آتا ہے کہ وہ کشتی بنا رہے تھے تو قوم کے امراء منکرین آپؑ کا مذاق اڑاتے تھے۔ تو آپؑ نے فرمایا آج تم ہم پر ہنس لو وقت آ رہا ہے جب ہم تم پر ہنسیں گے۔ جب سیلاب آیا وہ سارے غرق ہو گئے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے وہ بچے تو فرماتے ہیں جواب بالمثل جیسا کسی نے کہا ہے ویسا ہی جواب دینا اخلاق کے منافی نہیں ہے۔ اس پر زیادتی نہ کرے لیکن جو اس نے کہا ہے ویسا کہا جا سکتا ہے۔

اسباب مشروعہ کی مباشرت کا منافی توکل نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَنَادٰی نُوۡحُ اۨبۡنَہٗ وَکَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ

ارْكَبْ مَّعَنَا مع قوله تعالیٰ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ : ھود:43

ترجمہ: اور نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ علیحدہ مقام پر تھا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ مع قولہ تعالیٰ: نوح نے فرمایا کہ آج اللہ کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں لیکن جس پر وہی رحم کرے۔

''اس میں دلیل ہے کہ اسباب ماذون فیہا کی مباشرت توکل کے مخالف نہیں جیسے کشتی نوح میں سوار ہونا اسباب غیر ماذون فیھا کی مباشرت منافی توکل ہے جیسے کنعان کا پہاڑ کی پناہ لینا۔''

یعنی کنعان سگا بیٹا تھا نوح علیہ السلام کا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان سے نہیں اور تمہارے سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کیوں؟ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ھود:46 اس کا جو کردار ہے وہ درست نہیں۔ تو فرماتے ہیں شرف نسب، نسبی تعلق تب معتبر ہے جب اتباع بھی کیا جائے۔ اب بعض لوگ سید ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کا نہ عقیدہ صحیح ہوتا ہے نہ کردار صحیح ہوتا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں عقیدہ بھی درست ہو اتباع بھی کرے اور نسبی تعلق بھی ہو تو نور علیٰ نور ہے، پھر اس کا شرف ہے پھر اس کے لیے عزت واحترام ہے۔ پھر اس کا مقام ہے لیکن اگر اتباع نہ کرے اور محض نسبی تعلق ہو بھی تو اس کا کوئی فائدہ نہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

دعا کے قبل اس کا نافع ومضر وجائز وناجائز معلوم کرنا ضروری ہے:

قولہ تعالیٰ: فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ ھود:46

ترجمہ: سو مجھ سے ایسی چیز کی درخواست مت کرو جس کی تم کو خبر نہیں۔

''یعنی جس کے صواب وغیر صواب ہونے کا علم نہ ہو تو یہ مشتبہ الحال دعا سے نہی ہے اور جو امر معلوم الفساد اس کی دعا سے نہی بدرجہ اولیٰ مفہوم ہوگی۔ کذا فی الروح اور اس سے ہمارے زمانہ کے مشائخ کی دعاؤں کا حال معلوم ہوتا ہے کہ ان سے جس امر کے لیے دعا کی درخواست کی جاوے وہ اس کے لیے دعا کرنے کو ہر حال بغیر تحقیق تیار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح بعض سالکین بعض احوال مواجید کی دعا کرتے ہیں حالانکہ ان کا ضرر ونفع کچھ معلوم نہ ہو۔''

فرماتے ہیں جب نوح علیہ السلام نے بیٹے کے بچانے کی دعا کی تو اللہ کریم نے فرمایا جس بات کے نفع ونقصان کا آپ کو علم نہیں ہے اس کی درخواست مت کیجئے اور انہوں نے اللہ کریم سے معذرت چاہی، معافی چاہی تو فرماتے ہیں ہمارے ہاں رواج یہ ہے کہ جس پیر کو کہو جی دعا کر دیں وہ بغیر سوچے سمجھے دعا پر شروع ہو جاتا ہے۔ دعا کے لیے دیکھنا یہ چاہیے کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس میں نفع ہے تو دعا کرو۔ اور جب جانتے ہیں اس میں نفع نہیں نقصان ہے تو اس کے لیے دعا کرنا منع ہے۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اب یہ کیسے پتہ چلے کہ اس میں نفع ہے یا نقصان ہے۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ امور شرعی جو شرعاً جائز ہیں ان میں نفع ہی نفع ہے ان کے لیے دعا کی جائے کسی غیر شرعی کام کے لیے دعا نہ کی جائے۔ کوئی ڈاکو آپ کے پاس آ جائے کہ حضرت دعا فرمائیں میرا ڈاکہ کامیاب ہو اور حضرت دونوں ہاتھ اٹھائے بیٹھے ہوں ''یا اللہ اسے کامیابی عطا کر'' تو ایسی چیزیں ممنوع ہیں۔ دعا کے بھی آداب ہیں۔ ایسا کام کرنا اللہ کے حکم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف شمار ہوگا اور حضرت بڑے دکھ سے لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے مشائخ کا تو یہ حال ہے کہ وہ ہر وقت دعا میں ہی لگے رہتے ہیں بعض صوفی بھی عجیب عجیب دعائیں کرتے ہیں کہ یا اللہ مجھے فلاں مرتبہ دے دے، فلاں مقام دے دے، انہیں پتہ نہیں کہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے یا نہیں یا وہ ہوگا تو میرے حق میں بہتر ہوگا یا خراب ہوگا میں اگلے حال سے بھی جاتا رہوں گا تو فرمایا ایسی دعائیں نہیں کرنی چاہئیں۔ مقصد حصول رضائے باری ہے۔ اب آگے جو کچھ عطا ہوتا ہے وہ اللہ بہتر جانتا ہے۔

قوت توکل:

قولہ تعالیٰ: وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ
ھود:52

ترجمہ: اور اے میری قوم تم اپنے گناہوں کو اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ ہو وہ خوب بارشیں برساوے گا اور تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کردے گا۔

"اس میں دلیل ہے اس پر کہ طاعات کو راحت دنیویہ وخوش عیشی میں بھی دخل ہے اور اس کا مشاہدہ بھی ہے۔"

یعنی جو آدمی نیکی کرتا ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے قاعدے کے مطابق رہتا ہے اسے دنیا میں بھی آرام اور غلبہ اور طاقت نصیب ہوتی ہے۔ یہ جو دنیاوی اثرات ہیں اگر ایک آدمی کا ایمان اور عقیدہ بھی درست ہے اور وہ عمل بھی اس کا صالح ہے تو دو عالم میں اس کو قوت اور راحت اور خوشی نصیب ہوگی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دنیاوی امور کے لیے اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کسی کام میں اختیار کرتا ہے تو دنیا میں وہ کافر بھی ہو اس کام میں کامیاب رہتا ہے اور مغرب کی ترقی کا یہی راز ہے۔ آج بڑا سوال ہوتا ہے کہ مسلمان تو ذلیل وخوار ہو گئے اور کفار کے پاس بڑی طاقت ہے، وہ خواہ چین میں ہوں جاپان میں ہوں امریکہ میں ہوں یا یورپ میں ہوں لیکن مسلمانوں کے پاس نہیں ہے تو ہم اگر اسباب دنیوی پر غور کریں تو جب نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہ ساری اقوام مفلسی اور جہالت میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ انتہائی درجے کے ظالم، بدکار جھوٹے اور لٹیرے تھے ان کے ہاں نہ کوئی انتظام وانصرام تھا نہ کوئی شرافت تھی نہ ان کے ہاں آسودگی تھی۔ اسلام کے غلبے کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کو نبی تو نہیں مانا۔ حضور ﷺ کے لائے ہوئے دین سے نظام اسلام سے اسلامی اصول لیے۔ دین اسلام کا مطالعہ کر کے انہوں نے وہ چیزیں اپنا لیں مثلاً تجارت میں دیانتداری کو اصول بنالیا۔ معاملات میں راست بازی کو اور ذمہ داری پوری کرنے کو جہاں جہاں انہوں نے اسلام کے اصول اپنائے دنیا میں وہ طاقتور بھی ہوئے اور آسودہ حال بھی ہو گئے۔

اسلام کے اصول تجارت اپنا کر اہل مغرب کامیاب تاجر بن گئے جیسا کہ ان اقوام کا ماضی یہ تھا کہ یہ چھین کر کھانے والے لوگ تھے۔ وہ جو علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

مسلم آئین ہوا کافر تو ملے حور و قصور

آج مسلمان اسلامی اصول معاشرت ومعیشت چھوڑ کر کہاں پہنچ گئے۔ جو سلیقے مسلمان نے اپنانے تھے وہ کافر نے اپنا لیے تو دنیوی غلبہ تو اسے بھی حاصل ہو گیا۔ اگر مومن بھی وہ سلیقے اپنائے تو یقیناً کافر سے زیادہ غلبہ اسے حاصل ہوگا کیوں کہ اس کے پاس ایمان بھی ہے اور اتباع بھی تو اس طرف تو ہم جاتے ہی نہیں۔

طاعت وراحت دنیویہ کا ترتب

قولہ تعالیٰ: فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ھود:55

ترجمہ: سو تم سب میرے ساتھ داؤ گھات کرلو۔

"اس سے ہود علیہ السلام کا بڑا قوی توکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ ان تمام جبارین میں تنہا تھے پھر بھی آپ نے ان کے معبودوں کی کیسی مذمت کی اور ان کو کیسے مشتعل کیا۔"

فرمایا یہ توکل کا کمال ہے کہ ساری قوم ان کے خلاف تھی لیکن ہود علیہ السلام نے کہا کہ کل تمہیں افسوس نہ رہے جو کر سکتے ہو میرے خلاف کرلو میرے ساتھ میرا اللہ ہے، تباہی تمہارا مقدر ہے، تم ذلیل ہو گے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے اور وہی ہوا قوم تباہ ہوئی اور وہ بچ گئے۔

بعض اولیاء پر انکار مثل سب پر انکار کرنے کے ہے:

قولہ تعالیٰ: وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ھود:59

ترجمہ: اور اس کے رسولوں کا کہنا نہ مانا

"ایک رسول کے عصیان کو سب رسل کا عصیان اس لیے کہا گیا کہ مقصود سب کا واحد ہے۔ اس میں اشارہ ہو گیا کہ بعض مقبولین پر ان کا انکار ایسے ہے جیسے سب مقبولین پر کیونکہ ان سب کا مقصود ایک ہے۔"

قوم نے تو ایک رسول کا انکار کیا تھا ارشاد ہوا کہ انہوں نے میرے سارے رسولوں کا انکار کر دیا۔ ایک تو یہ ہے کہ منصب

رسالت سب کو اللہ کی طرف سے ملا دوسری بات یہ ہے کہ پیغام سب نبیوںؑ کا ایک تھا۔ ایک کو جھٹلایا تو سب کو جھٹلایا تو فرمایا انہوں نے ایک رسولؑ کی نافرمانی کی تھی اللہ نے فرمایا وَعَصَوْا رُسُلَهٗ رسولوں کی نافرمانی کی تو فرماتے ہیں اس میں اشارہ یہ ہے کہ کسی ایک ولی اللہ کی بھی توہین کی جائے تو یہ ایسے ہے جیسے سب کی توہین کی جائے۔ اگر کسی شیخ کی، کسی نیک کی، کسی بزرگ کی کوئی توہین کرتا ہے تو گویا اس نے تمام بزرگان دین کی توہین کی۔ اس میں اس کا اپنا شیخ بھی شامل ہے کہ وہ بھی اسی صف میں ہے۔ تو فرمایا اس سے بچنا چاہیے۔

اعداء دین پر بدعا کرنا حسن اخلاق کے منافی نہیں:

قولہ تعالیٰ: اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ھود:60

ترجمہ: رحمت سے دوری ہوئی عاد کو جو کہ ہود کی قوم تھی۔

''اس میں دلیل ہے اس پر کہ معاندین حق پر ہلاکت کی بددعا کرنا کمال کے منافی نہیں۔''

یعنی اگر کوئی بالکل ہی حد سے گزرنا شروع کر دے اور حق کا راستہ روکنا شروع کر دے تو حق کے غلبہ کے لیے اس کی تباہی کے لیے بددعا کرنا کمال کے منافی نہیں ہے، کرنی چاہیے۔ انبیاءؑ نے بھی ان لوگوں کے لیے بددعا کی ہے جو بالکل حق کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے ان کی تباہی کے لیے عرض کی۔

بعض آداب ضیافت:

قولہ تعالیٰ: فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ھود:69

ترجمہ: پھر دیر نہیں لگائی کہ ایک تلا ہوا بچھڑا لائے۔

''اس میں دو امر پر دلالت ہے ایک بعض آداب ضیافت پر کہ ٹھہرانے میں اکرام کرے پھر طعام سے اکرام کرے۔ دوسرے اس امر پر کہ بعض اوقات بعض حکمتوں کے سبب کاملین کو بھی کشف نہیں ہوتا چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام نے اول وہلہ میں ملائکہ کو نہیں پہچانا۔''

فرماتے ہیں یہ ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ کچھ ملائکہ انسانی شکل میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں بٹھایا اور فوراً ایک بچھڑا ذبح کر کے پورا تلا ہوا بچھڑا لے کر آئے۔ تو فرماتے ہیں اس میں دو چیزیں ملتی ہیں ایک تو مہمان کا اکرام کرے اور اپنی طرف سے جتنی توفیق ہے اتنا اچھا کھانا دینا بھی اکرام ضیافت میں شامل ہے۔ مہمان کی عزت میں شامل ہے جو اس کی توفیق ہے اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھانا پانی دے۔ دوسرا فرمایا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کاملین کو بھی بعض دفعہ کسی مصلحت کی وجہ سے کشف نہیں کراتے اب یہی ابراہیم علیہ السلام جن کے بارے اللہ فرماتے ہیں کذلك نری ابراهیم ملکوت السمٰوٰت والارض ہم نے زمینوں اور آسمانوں کی بادشاہتیں کھول کر ابراہیمؑ کے سامنے رکھ دیں۔ اور یہی ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ فرشتے آئے تو ان کے سامنے بچھڑا تل کر رکھ دیا، سمجھے کوئی مہمان ہی ہیں انسان ہیں یہ کشف نہیں ہوا کہ یہ فرشتے ہیں جب تک کہ انہوں نے بتایا نہیں تو کشف بھی اللہ تعالیٰ کے اپنے دست قدرت میں ہے جو بات چاہتا ہے وہ ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ لوطؑ کے پاس پہنچے تو وہ تو فرشتے تھے قوم نے گھیرا ڈال دیا تو لوط علیہ السلام گھبرا گئے فرمایا آج بہت مشکل دن آ گیا، مجھ پر میری زندگی کا مشکل ترین دن ہے میں ان بچوں کو کیسے بچاؤں گا؟ فرمایا آپ فکر نہ کریں ہم اللہ کے فرشتے ہیں ہم ان سے نبٹ لیں گے تو نہ ابراہیمؑ کو پتہ چلا یہ فرشتے ہیں نہ لوطؑ کو حالانکہ دونوں نبیؑ تھے تو فرمایا یہ اللہ کی مصلحت ہوتی ہے جب نہیں چاہتا تو کسی صاحب کشف کو بھی کشف نہیں ہوتا۔

تعجب اور تعین میں تنافی نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ھود:72

ترجمہ: اب میں بچہ جنوں گی بڑھیا ہو کر اور میرے میاں ہیں بالکل بوڑھے۔

''اس میں دلیل ہے اس پر کہ اسباب کے اعتبار سے تعجب کرنا مسبب الاسباب کے ساتھ کامل یقین رکھنے کے منافی نہیں۔''

فرمایا بعض اوقات ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو انسان کی عقل کو بھی

حیران کر دیتی ہیں تو اس پر حیرت کا اظہار کرنا عظمت الٰہی کے منافی نہیں جیسا مائی صاحبہ نے ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ سے جب فرشتوں نے کہا اللہ آپ کو بیٹا دے گا تو انہوں نے کہا اس عمر میں؟ میں تو ضعیف اور بوڑھی ہو چکی ہوں اور کمر دوہری ہو گئی اور ساری عمر میں بانجھ رہی میری اولاد نہیں ہوئی۔ اور میرے میاں جو ہیں یہ بھی بہت ضعیف ہو چکے ہیں تو اب بیٹا کیسے ہوگا؟ تو انہوں نے کہا قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ آپ کو اللہ کے حکم پر حیرت ہو رہی ہے، تو پھر انہیں اطمینان ہوا کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ تو فرمایا بعض ایسی چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ بندہ اس پر حیرت کا اظہار کرے تو عظمت الٰہی کے منافی نہیں۔

اولیاء سے ملائکہ کا کلام:

قولہ تعالیٰ: اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ھود:73

ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو۔

"یہ دلیل ہے کہ ملائکہ کا غیر نبی کے ساتھ کلام کرنا ممکن ہے۔"

یعنی حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ محترمہ نے جب یہ کہا کہ میں بھی ضعیف ہوں اور میرے میاں بھی ضعیف ہیں ہماری کیا اولاد ہو گی تو فرشتوں نے کہا تمہیں اللہ کے حکم پر حیرت ہے۔ تو اس میں دلیل ہے کہ غیر نبی سے بھی فرشتوں کا کلام ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو نبیہ نہیں تھیں۔ کوئی عورت تو نبی نہیں ہوئی۔ یہ دلائل السلوک میں ہم پڑھ چکے ہیں۔

مشرع کا عرف پر مقدم رکھنا:

قولہ تعالیٰ: قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ ھود:78

ترجمہ: لوط علیہ السلام فرمانے لگے کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں موجود ہیں۔

"روح میں ہے کہ مطلب یہ کہ ان سے نکاح کر لو اور مقصود اس سے اپنے مہمانوں کی آبرو کو بچانا تھا اور اس میں دلالت ہے کہ عرف و رسم پر مصلحت شرعیہ مقدم ہے اور شرع کے مقابلہ میں عرف کا اعتبار نہیں چنانچہ اپنی لڑکیوں کو خود پیش کرنا عرف کے خلاف تھا لیکن آپؑ نے بمقابلہ وقایہ ضعیف کے کہ مقصود شرعی ہے اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔"

یعنی لوط علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ تم میری بیٹیوں سے نکاح کر لو اور میرے مہمانوں کو ایذا نہ دو۔ اس میں دلالت ہے کہ عرف و رسم پر مصلحت شرعیہ مقدم ہے۔ یعنی عرف کہتے ہیں جو ہمارے معروف قاعدے ہوتے ہیں۔ برادریوں کے رواج ہوتے ہیں رسوم ہوتی ہیں ہر بندہ جانتا ہے کہ یہ ایسے کیا جاتا ہے۔ تو اس پر مصلحت شرعیہ مقدم ہے۔ یعنی کام شرعی مصلحت کے مطابق کرنا چاہیے برادری یا خاندانی رسوم کے مطابق نہیں اور شریعت کے مقابلے میں یہ جو برادریوں کے رواج ہوتے ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں چنانچہ اپنی لڑکیوں کا خود پیش کرنا عرف کے خلاف تھا یہ تو رسم کے خلاف تھا کہ کوئی بیٹی والا کہے کہ تم میری بیٹی سے نکاح کر لو۔ یہ تو شروع سے آ رہا ہے کہ بیٹے والے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں رشتہ دے دو۔ لیکن چونکہ شرعی مصلحت تھی تو آپؑ نے خود کہا میری بیٹیوں سے نکاح کر لو میرے مہمانوں کو پریشان نہ کرو۔ چونکہ وہ جو عرف تھے رواج تھے وہ دنیا کے بنائے ہوئے تھے اور یہ مصلحت شرعی تھی کہ مہمانوں کی عزت بچائی جائے یا انہیں تکلیف سے بچایا جائے۔ تو فرمایا میری بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر لو۔ میں رشتے دینے کو تیار ہوں میرے مہمانوں کو ایذا نہ دو۔ تو فرماتے ہیں کہ برادری کی رسوم پر احکام شرعی افضل ہے اور شریعت پر عمل کرنا چاہیے۔ جبکہ آج کے دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر خوشی کے بلکہ جنازے بھی رسومات کے مطابق کرتے ہیں شریعت کی پرواہ نہیں کرتے حالانکہ احکام شرعی کو مقدم رکھنا چاہیے۔

اجتماع 2013ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اُن کے جواب

سوال: اللہ کی تلاش ہے اور دل زنگ آلود ہو چکا ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ میں اس لفظ سے متفق نہیں ہوں کہ اللہ کی تلاش ہے۔ اللہ واحد حقیقت ہے جو ہر لحہ، ہر آن، ہر جگہ موجود ہے۔ تلاش تو گم شدہ چیزوں کی کی جاتی ہے۔ اگر آدمی کی اپنی آنکھیں بند ہوں اور وہ کہے کہ تلاش کر رہا ہوں تو چیز تو گم شدہ نہیں ہے۔ آنکھیں بند ہیں۔ جہاں تک دل کا تعلق ہے تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سوال کا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ فرمایا! لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے جو اُسے چمکا دیتی ہے۔ صاف کر دیتی ہے۔ زنگ اتار دیتی ہے وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللہِ او کما قال رسول اللہ ﷺ دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔ ذکر کرنے میں بھی بڑا ایک نازک سا مقام ہے کہ ہم کس مقصد کے لئے ذکر کر رہے ہیں۔ ساری عبادات میں یہ مقام آتا ہے کہ کیا ہم اپنی پارسائی کے لئے کر رہے ہیں، صاحب کرامت بننے کے لئے کرتے ہیں۔ بزرگ کہلوانا چاہتے ہیں یا محض اللہ کی رضا مطلوب ہے تو ساری دائیں بائیں کی چیزیں چھوڑ کر جب بندہ اس پہ آ جائے کہ محض اللہ کی رضا مطلوب ہے، کوئی مجھے اچھا کہے، برا کہے اُس کی رائے ہے۔ میرا مقصد جو ہے وہ خالص ہے اور میں اپنے مقصد کے لئے پورے خلوص سے لگا ہوں تو پھر دیر نہیں لگتی۔ یہ جو دیر لگتی ہے یہ ہماری طرف سے مختلف پردے حائل ہوتے ہیں، خلوص میں وہ کھرا پن نہیں آتا جو ہونا چاہئے۔

سوال: انبیاؑ اور ملائکہ کی عصمت میں کیا فرق ہے؟

جواب: عجیب سا سوال ہے۔ میرے خیال میں آپ بھی جانتے ہیں کہ فرشتوں میں انسان کی طرح نفس نہیں ہوتا۔ فرشتے کو نہ بھوک لگتی ہے نہ نیند آتی ہے۔ نہ بیوی ہوتی ہے نہ بچے ہوتے ہیں تو شائد آپ سوال برائے سوال کر دیتے ہیں یہ باتیں تو آپ کو بھی پتہ ہیں کہ انبیاؑ انسان ہوتے ہیں۔ آدمؑ کی اولاد سے ہوتے ہیں۔ اُن کے بھی بشری تقاضے ہوتے ہیں کھانا کھاتے ہیں، سوتے ہیں، تھکتے ہیں، زخمی ہوتے ہیں، شہید ہو جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں فرشتے میں نہیں ہیں۔ انسان الگ مخلوق ہے، فرشتہ مخلوق دوسری ہے آپ کیسے مقابلہ کر رہے ہیں۔ انبیاؑ میں وہ تمام بشری حکایات ہوتی ہیں جو دوسرے انسانوں میں ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں وہ غلطی نہیں کرتے۔ ان میں نفس امارہ نہیں ہوتا یہ عصمت انبیاؑ ہوتی ہے۔ فرشتے کا انبیاؑ سے کیا مقابلہ، فرشتے میں تو نفس ہی نہیں ہے۔ نہ انہیں نیند آتی ہے، نہ بھوک لگتی ہے، نہ بیوی ہے نہ بچے ہیں تو آپ نے مقابلہ کیسے کر لیا؟

سوال: بہت سے اللہ کے بندے اکثر دنیاوی مصائب کا شکار رہتے ہیں جبکہ آج کل یہ خیال عام ہو رہا ہے کہ جس پر اللہ کریم راضی ہوں اُس پر دنیاوی مصیبت اور دکھ نہیں آتے۔ اللہ کریم کی رضا مندی کے حصول کا طریقہ کیا ہوگا؟ مصائب اور دکھوں سے آسانی کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

جواب: اگر یہ طریقہ ہوتا تو کوئی کفر کیوں کرتا؟ ساری دنیا موج کرتی۔ میاں! یہ ضروری نہیں ہے کہ اللہ کے بندوں پر دُکھ

آتے ہیں یہ اللہ کریم کا اپنا ایک نظام ہے جو دنیا میں جاری ہے۔ اس میں دکھ سکھ، صحت، بیماری، بچپن، جوانی، بڑھاپا ہر ایک پر آتا ہے۔ ہر ایک کا ایک اپنا نظام ہے۔ اللہ کریم جانتا ہے دکھ بھی بھیج دیتا ہے، سکھ بھی بھیج دیتا ہے۔ انبیاؑ بھی بیمار ہو جاتے ہیں۔ صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ اولیاء بھی بیمار ہو جاتے ہیں، صحت یاب بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ اللہ کے بندوں پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں۔ آپ سے کس نے کہہ دیا۔ یہ ایک الگ نظامِ حیات ہے جس میں ساری مخلوق ہے۔ جانور بھی بیمار ہو جاتے ہیں، صحت مند بھی ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن پر کب راضی ہوتا ہے اور کب ناراض ہوتا ہے اس کا مطلب ہے جانور بیمار ہو گیا تو اُس پر اللہ ناراض ہو گیا۔ وہ تو مکلف ہی نہیں ہے۔ صحت، بیماری، نفع نقصان یہ بعض اوقات ہمارے کردار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ بعض اوقات من جانب اللہ ہوتا ہے۔ اہل اللہ پر اگر مصیبت بھی آئے تو انہیں مصیبت نہیں لگتی۔ وہ اُس میں بھی خوش رہتے ہیں اُن کے دل میں تسکین ہوتی ہے۔ اور اُس کا بھی انہیں اجر ملتا ہے اور اسے اللہ کی طرف سے سمجھ کر برداشت کرتے ہیں اور اُس سے بھی درجات پاتے ہیں۔ دنیا دار پر مصیبت آتی ہے تو وہ کبھی مخلوق کی خوشامد کرتا ہے، کبھی کسی کو سجدے کرتا ہے پھر وہ تکلیف اُس کے لئے باعث آزار بن جاتی ہے یہ فرق ہوتا ہے۔ باقی ہر ایک کا اپنا نصیب ہے۔ دُکھ سکھ، صحت بیماری یہ ایک الگ نظام ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ نے پانچ نمازیں پڑھ لیں تو آپ کو کھانا ضرور ہضم ہونا چاہیے اور آپ نے پانچ نمازیں پڑھ لیں تو آپ کو پکا پکایا کھانا ملنا چاہیے۔ اگر اس طرح ہوتا تو ساری دنیا پکے پکائے کھاتی اور کیا ضرورت تھی انہیں تکلیف اٹھانے کی۔ یہ فضول سے سوال ہیں اور ان میں کوئی جان نہیں ہے۔ وقت ضائع کرنے والی بات ہے۔

سوال: حضرت آدم علیہ السلام جس جنت سے زمین پر تشریف لائے وہ یہ جنت نہیں تھی جو حساب کتاب کے بعد مومنین کو نصیب ہوگی کیونکہ جنت کی صفات میں ایک "خَالِدِیْنَ فِیْهَا" بھی ہے۔ اس تناظر میں مندرجہ ذیل کے بارے میں راہنمائی فرمائیں۔ ریاض الجنۃ، معراج شریف میں رسولِ کریم ﷺ کی جنت کی سیر، عالم برزخ میں مومنین کا جنت کی راحت پانا؟

جواب: جو جنت قیامت کے بعد نصیب ہوگی یا جو دوزخ جس میں لوگ قیامت کے بعد داخل ہوں گے وہ اٹل ہے اور یہ جنت جس میں آدمؑ تھے اور وہ دنیا میں تشریف لائے، یہ عالم برزخ میں ہے اور یہ الگ ہے۔ اس میں خلود نہیں ہے نہ یہ خود ہمیشہ کے لئے ہے نہ اس میں رہنے والے ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ ریاض الجنۃ جو ہے یہ اُس حقیقی جنت کا حصہ ہے جو مومنین کو آخرت کے بعد نصیب ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد عالی ہے۔ مابین منبری وبیتی روضۃ من ریاض الجنۃ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان یہ جو ٹکڑا ہے یہ جنت کا حصہ ہے اور یہ اُس حقیقی، دائمی اور ابدی جنت کا حصہ ہے اور قیامت کو یہ ٹکڑا اسی طرح اُٹھا کر اُس میں شامل کر دیا جائے گا۔ اور یہ جس طرح حجر اسود جنت کا پتھر ہے، بیت اللہ شریف میں نصب ہے۔ اور اُس کے روز اوّل سے قیامت تک جو کچھ وہاں بیتتا ہے، جو حاجی جاتے ہیں، جو طواف کرتے ہیں، کون کس نیت سے، کس خلوص سے آیا، کس کا اپنا حصہ ہے، اس میں محفوظ کیا گیا وہ سارا ریکارڈ بھی جو وہ میدان حشر میں پیش کرے گا، اس میں محفوظ ہیں، اور محفوظ کرتا جا رہا ہے۔ تو جس طرح حجر اسود جنت سے آیا، اسماعیلؑ کے بدلے ذبح کرنے کے لئے ایک دنبہ جنت سے آیا۔ اسی طرح جنت کا یہ ٹکڑا ریاض الجنۃ اُسی حقیقی اور دائمی جنت کا ٹکڑا ہے جو قیامت کو پھر اُسی میں شامل ہو جائے گا۔ الحمد للہ جو لوگ وہاں تشریف لے گئے ہیں انہوں نے یہ اب تو یہ سارا ائیر

کنڈیشن ہوگیا ہے، جب مسجد نبویﷺ ائیر کنڈیشن نہیں تھی تب بھی آپ جب ریاض الجنہ میں جاتے تو ایسے پتہ چلتا تھا کہ بادِ بہاری صفوں کے درمیان میں چل رہی ہے اور جسمانی طور پر بھی سکون نصیب ہوتا ہے۔ قلبی طور پر تو ہوتا ہی ہے جسمانی طور پر بھی سکون نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یہ باتیں ہر بندے کے اپنے خلوص قلبی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کس چیز کو وہ کس نظر سے دیکھتا ہے۔ اُس کی اپنی عقیدت اپنے خلوص کے مطابق اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توسیع کے درمیان کئی دفعہ حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ بہت بڑی بڑی مشین لگی ہوئی تھیں اور ستونوں کے لئے نیچے جگہ کھود کر بنائی جارہی تھی۔ بڑے لمبے لمبے Cutter تھے کوئی ستر، اسی اسی فٹ اونچے اور ان پر مشینوں کے ساتھ ٹنوں وزنی لوہا لگا ہوتا تھا۔ جس سے وہ کھودتی رہتی تھیں اور پورے شہر مدینہ منورہ میں ان کی آوازیں رات دن سنائی دیتی تھی۔ میرا تجربہ یہ ہے کہ جب ہم مسجد نبویﷺ میں داخل ہوجاتے، کوئی رائی برابر آواز بھی نہیں آتی تھی اور یاد ہی نہ رہتا تھا کہ باہر مشینیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ مسجد نبویﷺ کے دروازے سے اندر ہوں تو کوئی آواز نہیں آتی تھی۔

معراج میں حضورﷺ نے جس جنت کی سیر کی اور جس دوزخ کو ملاحظہ فرمایا وہ حقیقی اور ابدی جنت اور دوزخ ہے جس میں انجام کار لوگوں کو جانا ہے۔ عالم برزخ میں جو راحت جنت کی نصیب ہوتی ہے اُس جنت کی ہے جو برزخ میں ہے کیونکہ دائمی اور حقیقی جنت کا داخلہ قیامت کے بعد ہوگا اور اُس میں جیسا آپ نے لکھا ہے داخلہ ہے، اُس سے نکلنے کا کوئی سوال نہیں۔ جہاں تک دوزخ کا تعلق ہے اُس میں ایسے لوگ بھی جائیں گے جو بعد میں نکالے بھی جائیں گے کچھ گناہ گار ہوں گے جو اپنے گناہ کی سزا بھگت کر نکل آئیں گے۔ کچھ شفاعت نبی کریمﷺ سے اور رحمت الٰہی سے نکال لئے جائیں گے تو

صفحہ نمبر 50 سے آگے

زوال و پستی سے نکلنے کے لئے مسلمانوں کے پاس کردار و فکر کی اصلاح کے سوا کوئی چارہ نہیں اور اس کا نسخہ ''تزکیہ'' یعنی قلب کی صفائی ہے۔ اور اس کا ذریعہ ذکر قلبی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ قلب صاف ہوجائے تو پھر اس کی خواہشات بدل جاتی ہیں۔ اب ہر کام کرنے سے پہلے بندہ سوچتا ہے کہ میرے نبی کریمﷺ کا کیا حکم ہے؟ وہ مجھے کیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں کام اُن کی اطاعت میں سرانجام دوں۔ انہوں نے قلب کی حقیقت پر روشنی ڈالی اور سامعین کو ذکر قلبی کا طریقہ بتایا۔

آخر میں بہت جامع اور دردِ دل سے دعا بھی کی۔ اُن کی دعا میں حاضر غائب مسلمانوں کی فلاح و خیر کی درخواست بھی تھی۔ اور حاضرین محفل کے دلی جذبات کی نمائندگی بھی۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک خواتین تو موجود تھیں ہی لیکن ہر مہمان اپنے ساتھ لوگوں کو مدعو کر کے اس پروگرام سے مستفید ہوا۔
ہال میں قرآن پاک، اکرم التراجم، اکرم التفاسیر اور اسرار التنزیل کا سٹال بھی لگایا گیا تھا۔ حاضرین کو دین اور علوم جدیدہ، تصوف اور اصلاح معاشرہ کے عنوان سے شیخ المکرم مدظلہ العالی کے بیان کی CDs بھی تقسیم کی گئیں۔ پروگرام کے اختتام پر حاضرین محفل نے ثمینہ صاحبہ سے ملاقات کی اور سب سلسلہ کی بہنیں بھی گرم جوشی سے ملیں۔ چائے سے سب کی تواضع کی گئی۔ محفل میں ایک سکون اور شگفتگی کو سب نے محسوس کیا۔ اللہ کریم الاخوات کی یہ کوشش قبول فرمائیں اور ایسی محافل کے انعقاد کی توفیق اور وسائل عطا فرمائیں۔

صفحہ نمبر 42 سے آگے

پھر فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہﷺ سے یہ سچ بولنے کا عہد کیا تھا الحمد اللہ کہ آج تک کوئی کلمہ جھوٹ کا میری زبان پر نہیں آیا، اور مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھیں گے، کعبؓ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! اسلام کے بعد اس سے بڑی نعمت مجھے نہیں ملی، کہ میں نے رسول اللہﷺ کے سامنے سچ بولا، جھوٹ سے پرہیز کیا، کیونکہ اگر میں جھوٹ بولتا تو اسی طرح ہلاکت میں پڑ جاتا جس طرح دوسرے جھوٹی قسمیں کھانے والے ہلاک ہوئے جن کے بارے میں قرآن میں یہ نازل ہوا: سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ ...... عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ:95-96) تک بعض حضرات نے فرمایا کہ ان تینوں حضرات سے مقاطعہ کا پچاس دن تک جاری رہنا شاید اس حکمت پر مبنی تھا کہ رسول اللہﷺ کے غزوہ تبوک میں پچاس دن ہی صرف ہوئے تھے۔

تحریر و تحقیق: نوید اشرف

کمالِ نسبتِ اویسیہ

قسط نمبر 2

اخذ فیض از قبور علماء حق کی نگاہ میں

1۔ شاہ عبدالرحیم دھلویؒ

صحیح نقل سے یہ بات ثابت ہوا ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ کی ولادت بھی حضرت امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ہوئی اور حضرت امام جعفر صادقؒ نے ان کی تربیت معنوی اور روحانی طور پر فرمائی نہ کہ ظاہری اور روحانی طور پر۔

رسائل شاہ عبدالرحیمؒ۔ ص61

2۔ شاہ غلام علی دہلویؒ

آپ کو اگر سستی پیش آئے تو میری روحانیت کی طرف متوجہ ہو جائیں یا پھر حضرت مرزا صاحب قبلہ (مظہر جانِ جاناں شہیدؒ) کے مزار پر آجائیں ان کی توجہ سے ترقیاں نصیب ہوں گی وہ ہزار زندوں سے بہتر ہیں۔

مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ۔ ص174

3۔ امام الھند شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اولیاء اللہ کی نسبتوں پر مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس کے سامنے اور اگر وہ صاحب مزار ہے تو اس کی قبر کے سامنے بیٹھ جائے اپنی ذات کو ہر قسم کی نسبتوں سے خالی کرے اور کچھ دیر کے لئے اپنی روح کو اس کی روح تک پہنچا دے یہاں تک کہ اِس کی روح اُس کی روح سے متصل ہو اور مل جائے۔

القول الجمیل فی بیان سواء السبیل

میں کہتا ہوں قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ کا سلمان فارسیؓ سے حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے باطنی اور روحانی طور کے۔ یہ بات اسماء الرجال کی تحقیق کے دوران سامنے آئی۔

الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

4۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

سائل کے سوال کہ کوئی صاحب باطن یا صاحب کشف کسی صاحب باطن یا صاحب کشف کی قبر کے پاس مراقبہ کر کے باطن سے کچھ حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں حاصل کر سکتا ہے۔

فتاویٰ عزیزی۔ ص172

5۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

"مزارات اولیاء سے کاملین کو فیض حاصل ہوتا ہے مگر عوام کو اس کی اجازت دینی ہرگز جائز نہیں اور تحصیل فیض کا کوئی طریقہ نہیں۔ جب جانے والا اہل ہوتا ہے تو اُس کی طرف سے حسب استعداد فیض ہوتا ہے مگر عوام میں ان امور کا بیان کرنا کفر و شرک کا دروازہ کھولنا ہے"

فتاویٰ رشیدیہ۔ ص77

6۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کسی صحابیؓ نے اپنا خیمہ ایک قبر پر لگایا۔ ان کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے اس میں معلوم ہوا کہ کوئی شخص سورۃ مُلک پڑھ رہا ہے وہ صحابی رسول ﷺ کے پاس آئے اور اس واقع کی خبر دی جناب رسول ﷺ نے فرمایا یہ سورۃ نجات دینے والی اور حفاظت کرنے والی ہے یعنی مردہ کو عذابِ الٰہی سے نجات دلاتی ہے۔ اس حدیث شریف سے کشف قبور کا وقوع معلوم ہوا اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید سننا موجب نفع باطنی ہے اور یہ نفع ان صحابیؓ کو صاحب قبر کے واسطے سے پہنچا اس سے

اہل قبور کے فیضان کا ثبوت ملتا ہے۔

التکشف۔ص411

7۔حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمتہ اللہ علیہ

جہاں تک ذوقی دلائل کا تعلق ہے صوفیاء کا فتنہ اور محققین علماء ظواہر اس پر متفق ہیں خواص امت کو روح سے فیض ملتا ہے۔ رہا یہ سوال کیسے ملتا ہے تو اس کا سمجھ میں آنا عارفین کاملین کا دامن پکڑے بغیر محال ہے۔ اس کا تعلق ظاہری علم سے نہیں کہ کتابوں سے پڑھ کر آدمی روح سے اخذ فیض کا طریقہ سیکھے۔ اس شعبہ میں آ کر ایک عام جاہل آدمی اور عالم ظاہر بین میں کوئی فرق نہیں فرشتے بڑی مقدس ہستیاں ہیں مگر شادی کی کیفیت اور شہد کی لذت سمجھنے سے قاصر ہیں۔ سو روح سے اکتساب فیض کا طریقہ یہی ہے کہ کسی ولی کامل کی شاگردی اختیار کرو رضاء الٰہی مقصود رکھو۔ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ یہ نشاناتِ راہ نظر آ جائیں گے۔

دلائل السلوک۔ص226

"روح سے فیض اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صاحب قبر سے فیض ہوتا ہے۔ روح زندہ ہے اور اسکی موت صرف انقطاع عن البدن ہے۔ روح سے حصول فیض کیلئے روح سے رابطہ کا ہونا ضروریات میں سے ہے۔ اور مبتدی اگر سو سال بھی کسی قبر پر بیٹھا رہے جب کوئی زندہ شیخ اسکو ربط پیدا نہ کرا دے خود بخود نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان ہزاروں حجابات حائل ہیں۔ سو کوئی ایسی ہستی ضروری ہے جو اپنی توجہ سے حجابات پھاڑ کر رکھ دے اور وہاں تک انکو پہنچا کر رابطہ کرا دے۔ ان سے ایسا تعلق کا رشتہ قائم ہو جائے تو فیض شروع ہو جاتا ہے۔

ماہنامہ المرشد۔ حضرت جی ؒ نمبر۔ص191

8۔شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ

اپنے اکابر اور مشائخ کے لئے ایصال ثواب ضرور کرو اس سے ان کی ارواح متوجہ ہوتی ہیں اور ان کے فیوضات و برکات نصیب ہوتے ہیں۔

تہمت وھابیت۔ص118

9۔حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

فاتحہ پڑھنے والے کو استحضار ہوتا ہے اور اگر اس میں صلاحیت اور صاحب قبر سے مناسبت ہے تو فیض بھی پہنچتا ہے۔

ارشاداتِ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری۔ص139

11۔قاری محمد طیب قاسمیؒ

وہ (علماءِ دیوبند) اُن کی منور قبروں سے فیض اور استفادہ حاصل کرنے کے قائل ہیں۔

عقائد علماء دیوبند۔ص28

12۔مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ

مشائخ سے روحانی فیض حاصل کرنا اور فیض باطنی پہنچنا ان کے سینوں سے یا ان کی قبروں سے صحیح ہے۔

المھند علی المفند

13۔حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ 1

اس طریقہ میں جس طرح زندوں پر توجہ دی جاتی ہے۔ اسی طرح مردوں کی قبروں پر بیٹھ کر توجہات دی جاتی ہیں۔ اور مقبولان بارگاہ الٰہی کی توجہ سے مردوں کے باطن میں ترقی حاصل ہوتی ہے۔

تحفہ زواریہ در انفاس سعیدیہ۔ص58

14۔سید زوار حسین شاہؒ 2

فنا اور بقا کے بعد جو مناسبت اندرونی طور پر حاصل ہو جاتی ہے اس کے ذریعے اہل قبور سے فیض حاصل کر سکتے ہیں اس قدر نہیں جتنا کہ زندگی میں یعنی کہ وہ ناقص کو کامل بنا سکے۔ الا ماشاءاللہ

عمدۃ السلوک۔ص53

15۔مولانا مفتی محمودؒ

اصحاب نسبت بزرگوں کو مشائخ و اولیاء کرام کی ارواح طیبہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور وہ اس کا ادراک بھی کرتے ہیں۔ حضرت شیخ

ابوالحسن خرقانیؒ نے حضرت بایزید بسطامیؒ کی روح سے بعد از وفات اکتساب فیض کیا تھا۔اور پھر دوسروں تک پہنچایا۔مشائخ کے سلسلہ طیبہ میں حضرت خرقانیؒ اور حضرت بسطامیؒ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اگر اخذ فیض بعد الموت کو نہ مانا جائے تو سلسلہ مشائخ نقشبندیہ میں انقطاع آجائے گا۔اس لیے کہ بالاتفاق حضرت بایزیدؒ اور حضرت خرقانیؒ کی دنیاوی زندگی میں ملاقات نہیں ہوئی۔

فتاویٰ مفتی محمود۔ج1۔ص182-180

16۔فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

ضرور مشائخ اولیاء کرام اور قبور اولیاء کرام سے فیوض باطنی اور برکات کے حاصل ہونے کا عقیدہ اہل سنت میں اتفاقی اور اجماعی ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند۔ص139

17۔جامع الفتاویٰ

پس مشائخ کی روحوں سے مدد طلب کرنا جس شخص کو روحوں کا کشف ہوجاتا ہو اس کے لئے تیسری قسم ہے۔(تیسری قسم کو جائز لکھا ہے)

جامع الفتاویٰ۔ج2۔ص182

18۔فتاویٰ مظاہر العلوم

مشائخ کی روحانیت سے استفادہ کرنا اور ان کے سینوں اور قبروں سے فیوض پہنچنا سو بے شک صحیح ہے۔

فتاویٰ مظاہر العلوم۔ج1۔ص418

19۔خیر الفتاویٰ

اولیاء اللہ کی قبریں اللہ کی رحمتوں کا مورد ہوتی ہیں نیز اولیاء کو قبروں میں ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے۔جس کی وجہ سے وہ زائر کو پہچانتے ہیں اور اسکی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور سائل کی اہلیت کے مطابق کچھ روحانی فیض بھی پہنچاتے ہیں مگر یہ بات ہر اک اہل قبر کے لئے نہیں اور ہر ایک زائر کیلئے نہیں۔

خیر الفتاویٰ۔ج3۔ص208

20۔فتاویٰ فریدیہ

"احادیث سے کرامت بعد الممات اور توسل بھی ثابت ہے جو کہ تمام اکابر علماء دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے اور دعا بھی کر سکتے ہیں اگر چہ ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا ان سے فیض بھی پہنچتا ہے۔اور استفاضہ کے جو طرق مشائخ سے منقول ہیں تو ان میں ضروری ہے کہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہوں"

فتاویٰ فریدیہ۔ج1۔ص395

اکابرین کی نقل کردہ تحریرات سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اخذ فیض از قبور ممکن ہی نہیں بلکہ کمال بھی ہے۔لیکن یہ فیض بطور خرق عادت یا کرامت ہی باذن اللہ ہوتا ہے۔یہ کرامت صاحب نسبت ولی کی ہوتی ہے کہ وہ صاحب قبر سے فیوضاتِ باطنی حاصل کرے اور گا ہے صاحب قبر کی بھی ہوتی ہے کہ فیض کے حصول کیلئے صاحب قبر بزرگ کا متوجہ ہونا ضروری ہے۔اگر صاحب قبر توجہ نہ کرے تو بھلے قبر پر بیٹھ کے ٹکریں مارتا رہے فیض کا حصول نہیں ہوتا۔اور صاحب قبر کا متوجہ ہونا اللہ کے حکم سے ہے اور یہی اسکی کرامت ہے جو دنیا سے جانے کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔مفتی کفایت اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں

"ولی کی کرامت بعد موت بھی ممکن ہے"

کفایت المفتی۔ج2۔ص83

"اللہ کی مشیت پر موقوف ہے اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مردوں کی بات زندہ بھی سن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب کی حالت میں ہوتا ہے اور گا ہے بیداری کی حالت میں ہوجاتا ہے دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں سے ملتے ہیں"

فتاویٰ رحیمیہ۔ج1۔ص203

حضرت شیخ المکرّم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی فرماتے ہیں

"فیوضات وبرکات اس عالم کی نسبت برزخ سے بہت زیادہ قوی اور بہت زیادہ طاقت کے ساتھ مترشح ہوتے ہیں کیونکہ وہاں

ارواح بشری قید سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ اور ہمہ وقت متوجہ الی اللہ ہوتی ہیں۔ جہاں تک فیض پہچانے کی بات ہے اس میں کوئی شبہ نہیں اسلئے کہ نبی کریم ﷺ قبر اطہر میں تشریف فرما ہیں۔ اور نبوت انہی کی جاری وساری ہے۔ کائنات میں سارا فیض انہی کا ہے۔ اگر فیض سے مراد برکات ہیں، نیکی ہے تو پھر رابطہ شرط ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنے والا۔ خواہ کوئی کافر بھی ہو لا الـہ الا اللہ محمد الر سول اللـہ کہتا ہے تو رابطہ اسکا ہو گیا۔ نبی ﷺ کی برکات اسے پہنچیں وہ مسلمان ہو گیا۔ ایمان نصیب ہو گیا۔ اہل اللہ بھی تو آپ ﷺ کی نعلین مبارک کی خاک ہیں۔ اور آپ ﷺ ہی کے فیض کو آگے پہنچانے والے ہیں۔ تو اس میں کوئی شبہ نہیں اگر فیض سے مراد دنیاوی امور لئے جائیں تو میں اسکا قائل نہیں ہوں۔

کنز الطالبین

بزرگانِ دین کے واقعات

گذشتہ باب میں اس پر بات ہو چکی ہے کہ اخذ فیض از قبور اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے بشرطیکہ اس میں کچھ خلافِ شرع نہ ہو۔ اس باب میں علماء حق کے قبور سے اخذ فیض کے کچھ واقعات نقل کئے جائیں گے تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ صوفیاء کرام کی جماعت قدسیہ مشائخ کی ارواح سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔

1۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی کرامت بعداز وصال

ایک دن بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے مولانا محمود حسنؒ صاحب کو اپنے حجرے میں بلایا جو کہ دارالعلوم دیو بند میں ہے مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرے کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے موسم سردی کا تھا۔ مولانا رفیع الدینؒ نے فرمایا کہ پہلے میرا یہ روئی کا لبادہ دیکھو مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگا ہوا تھا۔ فرمایا کہ ابھی ابھی مولانا قاسم نانوتویؒ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بہ تر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ اس جھگڑے میں نہ پڑے پس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسنؒ نے عرض کیا حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصہ میں کچھ نہ بولوں گا۔

حضرت تھانویؒ۔ حکایات اولیاء۔ ص233,234

2۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کرامت بعداز وصال

ایک اور مجاز بیعت جن کو حضرت اقدس (حضرت تھانویؒ) کتاب دلائل القران علی مسائل ابی حنفیہ النعمان کی دو منزلیں تصنیف کرنے کیلئے سپرد فرما گئے تھے۔ فرماتے ہیں ایک مقام دوران تصنیف میں ایسا آیا جس کو وہ خود حضرت اقدس سے حضرت کی حیات میں حل کرنا چاہتے تھے اس کیلئے بہت سی کتابیں پیش کرنے کی ضرورت تھی مگر حضرت کی صحت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ مجبوراً کچھ تحریر لکھی مگر وہ دل کو نہ لگی اس لئے اس کو پھاڑ دیا۔ اسی حالت میں حسب معمول مزار پر بغرض فاتحہ حاضر ہوئے تو اس وقت بھی یہی خیال تھا چنانچہ بہ برکت حضرت والا اب جو لکھنے بیٹھا تو انشراح وبسط کے ساتھ وہ اشکال حل ہوا پھر کچھ تردد باقی نہ رہا اور اس کو فوراً قلمبند کر لیا۔

اشرف السوانح۔ ج4۔ ص99

4۔ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کا مراقبہ

ایک بار آپ (حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ) حضرت اقدس قدس سرہ کی دعوت پر خانقاہ شریف تشریف لائے اور عصر کی نماز کے بعد مزاراتِ مقدسہ خانقاہ شریف کے احاطہ میں قیوم زماں حضرت مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کے مزار پر مراقبہ فرمایا جو مغرب سے کچھ دیر پہلے تک جاری رہا۔

تاریخ وتذکرہ خانقاہ سراجیہ۔ ص75

5۔ مولانا ابوالسعد احمد خانؒ کا مزار امام ربانیؒ پر مراقبہ

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار مبارک پر مراقبہ کے دوران صوفی محمد مواز خان صاحب نے یہ خصوصی واقعہ دیکھا۔

" کچھ لوگ کرسیاں اور تخت لا کر لگاتے گئے ان پر رنگا رنگ ریشمی کپڑے کے تخت پوش جن کے جھالر سبز تھے بچھائے گئے۔ اس کے بعد امام ربانی" قدس سرہ تشریف لائے آپ ہاتھ مبارک میں ایک خوش نما اور اعلیٰ جبہّ لیے ہوئے تھے۔ آپ نے وہ جبہّ لا کر تخت پر رکھ دیا۔ اور حضرت اقدس (مولانا ابوالسعد احمد خانؒ) کو پاس بلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بہت تکلیف دی کہ یہاں بلایا۔ دراصل ہمارے پاس آپ کی یہ امانت تھی جسے آپ کے سپرد کرنا ضروری تھا، یہ فرما کر آپ کو کرسی پر کھڑا کیا اور خود حضرت امام ربانی " نے وہ خلعت خاصہ آپ کو پہنایا۔ جبہّ مبارک کے ساتھ ایک مرصع اور زرنگار تاج تھا۔ جو حضرت امام ربانیؒ نے آپ کے سر مبارک پر رکھ دیا۔ علاوہ ازیں یہ دیکھا کہ تختوں پر کنجیاں (کنجیوں) کے انبار لگے تھے۔ وہ بھی سب کی سب آپ کے حوالہ کر دی گئیں۔

دعائے مغفرت

(1) لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی بریگیڈیئر علی احمد بھٹی صاحب مجاز

(2) گومل ضلع ٹانک سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی کی بیوی

(3) بھمبر آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد لطیف کی والدہ محترمہ

(4) منڈی بہاؤالدین چک نمبر 33 سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی منظور حسین

(5) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رشید احمد (ر) صوبیدار

(6) جھنگ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی پہلوان خان

وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

طب نبوی ﷺ

انجیر اور بواسیر

قسط نمبر 2

ڈاکٹر خالد غزنوی کی کتاب "طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس" سے اقتباس

انجیر پرانی قبض کا بہترین علاج ہے۔ اس کے گودے میں پایا جانے والا دودھ ملین ہے۔ اور اس میں پائے جانے والے چھوٹے چھوٹے دانے پیٹ کے حموضات میں پھول کر آنتوں میں حرکات پیدا کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ پرانی قبض کے مریض اگر کچھ دن باقاعدہ انجیر کھائیں اور بیت الخلاء جانے کا باقاعدہ وقت مقرر کریں تو یہ تکلیف ہمیشہ کے لئے رخصت ہو سکتی ہے۔

انجیر میں خوراک کو ہضم کرنے والے عناصر کی ترکیب نہایت عمدہ ہے جن لوگوں کی آنتوں میں ہمیشہ سڑاند رہتی ہے ان کے لئے اس سے بہتر کوئی دوائی موجود نہیں۔ اس کی فعالیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر اسے پیس کر یا گھوٹ کر کچے گوشت پر لیپ کر دیا جائے تو یہ گوشت دو گھنٹوں میں اتنا گل جاتا ہے کہ اسے انگلیوں سے توڑا جا سکتا ہے۔

انجیر خون کی نالیوں میں جمی ہوئی غلاظتوں کو نکال سکتی ہے۔ اور اس کی اسی افادیت کو حضور نبی ﷺ نے بواسیر میں پھولی ہوئی ردیدوں کی اصلاح کے لئے استعمال فرمایا۔ اکثر اوقات بلڈ پریشر میں زیادتی، خون کی نالیوں میں موٹائی آجانے سے ہوتی ہے۔ انجیر اس مشکل کا بہترین حل ہے کیونکہ یہ جسم سے چربی کو گلا کر بھی نکال سکتی ہے۔ بڑھاپے میں جب خون کی نالیاں تنگ ہو جاتی ہیں اور دماغ میں خون کی قلت مریض کو نیم بیہوش یا مخبوط الحواس بنا دیتی ہے، اعضاء میں بھی فالج کی سی کیفیت ہوتی ہے، اس بیماری میں انجیر اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ مریض ایک کثیر مقدار پانچ چھ مہینے مسلسل استعمال کرے۔

گردوں کے فیل ہو جانے کے متعدد اسباب ہیں۔ اس میں مرض کی اندرونی صورت یہ ہوتی ہے کہ خون کی نالیوں میں تنگی کی وجہ سے گردوں کی کارگزاری متاثر ہوتی ہے۔ یہی کیفیت پیشاب میں کمی اور بلڈ پریشر میں زیادتی کا باعث بن جاتی ہے۔ ان حالات میں اگر زندگی کو اتنی مہلت مل سکے کہ کچھ مدت انجیر کھائی جائے تو اللہ کے فضل سے وہ بیماری جس میں گردے اگر تبدیل نہ ہوں تو موت یقینی ہے شفایابی پر منتج ہوتی ہے۔

(جاری ہے)

مجسم ذکر

(ذِکْرًا رَّسُوْلًا)

مولانا محمود خالد، بہاول پور

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ (الطلاق: 11-10)

☆ تحقیق اتارا ہے اللہ نے تمہاری طرف ذکر۔ کہ پیغمبر ہے جو پڑھتا ہے اُوپر تمہارے نشانیاں اللہ کی۔

☆ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے۔ تمہیں اللہ کی روشن آیتیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرمایا۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں اور سب سے یکسو ہو کر اسی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔'' نبی رحمت ﷺ نے اس پر اس قدر زیادہ عمل فرمایا کہ کثرتِ ذکر سے آپ ﷺ کا وجود ذکر بن گیا۔

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ رقمطراز ہیں

''سراپا ذکر:

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنا رسول ﷺ مبعوث فرمایا جو تمہیں اس روشن کتاب کو صاف صاف سناتا ہے اور برکات نبوت ﷺ سے تم اس کتاب پر عمل کر کے اور اللہ کو دل میں بسا کر سراپا ذکر بن سکتے ہو کہ مفسرین نے ''ذِكْرًا رَّسُوْلًا'' سے مراد خود رسول اللہ ﷺ کو بھی لیا ہے کہ کثرت ذکر سے ان کا وجود باجود خود ذکر بن گیا۔

برکاتِ ذکر کا معیار:

برکات رسالت اور ذکر کا حاصل یہ ہے کہ بندۂ مومن ظلمت سے نور کی طرف نکلے یعنی عقیدے اور عمل کی برائی مٹنے لگے اور اطاعت الٰہی کا نور نصیب ہونے لگے۔ چنانچہ برکاتِ ذکر کا معیار یہی ہوگا کہ عملی زندگی میں مثبت تبدیلی آنے لگے اور یہ ہر آدمی کا اس کی اپنی استعداد کے مطابق ہوگا کوئی بہت جلدی اور کوئی آہستہ آہستہ مگر نیکی محبوب ہوتی جائے گی اور بدی سے نفرت ہونے لگے گی۔

اور جو بھی اللہ پر ایمان لا کر اس کی اطاعت اختیار کرے دنیا کی سرفرازی کے ساتھ آخرت میں جنت میں داخل ہوگا جہاں بہت خوبصورت نعمتیں نصیب ہوں گی۔''

رئیس المفسرین حافظ عماد الدین ابوالفدا ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

''بعض کا خیال ہے کہ ذکر سے مراد۔ یہاں رسول ہے چنانچہ ساتھ ہی فرمایا رسولاً تو بدل اشتمال ہے چونکہ قرآن کو پہنچانے والے رسول ﷺ ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ ﷺ کو لفظ ''ذکر'' سے یاد کیا حضرت امام ابن جریرؒ بھی اسی مطلب کو درست بتلاتے ہیں۔''

(ابن کثیر، ج5، ص319)

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔

''رسول ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے کیونکہ ہمیشہ آپ ﷺ ذکر اور تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے۔'' (تفسیر مظہری، ج11، ص567)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں۔

''یعنی قرآن یا ذکر بمعنی ذاکر ہو تو خود رسول مراد ہوں گے''

(تفسیر عثمانی، ص741)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں۔

''حضرات مفسرین نے دوسری توجیہات بھی لکھی ہیں مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں کہ ذکر اللہ کی کثرت کے سبب ان کا وجود گویا خود ذکر

ترجمہ اول شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ہے اور ترجمہ دوم پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا ہے۔

اللہ بن گیا۔وغیرہ ذلک(روح)۔(معارف القرآن، ج8،ص494)

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری لکھتے ہیں۔

''چنانچہ روح المعانی میں بھی اس قول کونقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ''ھو النبیؐ عبر عنه لمواظبته علی تلاوة القران الذی ھو ذکرا وتبلیغه وتذکیره رسولا بدل منه''

(حاشیہ ابن کثیر، ج5،ص319)

☆حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ اپنے درسِ قرآن میں بیان فرماتے ہیں۔

''تمہاری طرف ذکر کرنے والا رسول بھیجا ہے۔''

(معالم العرفان فی دروس القرآن، ج18،ص518)

حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ لکھتے ہیں۔

''آیت کا ترجمہ کئی طرح سے کیا گیا ہے ہم نے ایک طریقہ اختیار کرلیا ہے ذکر کو رسول سے بدل قرار دے کر ترجمہ کرنا سہل ہے اور ذکر بمعنی ذاکر کرنا چاہئے۔''

(کشف الرحمٰن مع تفسیر القرآن وتسہیل القرآن، ص2830)

پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں۔

''علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد بھی حضور ﷺ ہیں اور رسول اس کا بدل ہے ذکراً ھو النبی صلی الله علیه وسلم عُبّر به عنه لھم اظبته علیه الصلوٰة والسلام علیٰ تلاوة القراٰن الذی ذکرًا وقوله تعالیٰ رسولًا بدلا منه.

یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول جو سراپا ذکر ہے تمہاری طرف اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو اور نیک عمل کرنے والوں کو طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور تاباں تک پہنچائیں۔''

(ضیاء القرآن، ج5،ص287)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں۔

''صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں اور آپ کے اوپر ذکر کا اطلاق اس لئے فرمایا کہ آپ سراپا ذکر اور نصیحت ہیں۔''(تبیان القرآن، ج دوازدہم، ص90)

حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں۔

''ذکرًا سے مراد قرآن ہے اور اگر''ذاکر'' کے معنی میں لیا جائے تو اس سے مراد خود آنحضرت ﷺ بھی ہو سکتے ہیں۔''

(فوائد سلفیہ المعروف اشرف الحواشی، ص668)

حضرت مولانا محمد داؤد راز گوڑگانویؒ لکھتے ہیں۔

''بعضوں نے کہا کہ ذکر سے مراد یہاں رسول ہے چنانچہ آگے موجود ہے رسولاً تو یہ بدل اشتمال ہے چونکہ قرآن کے پہنچانے والے رسول ﷺ ہی ہیں تو اس مناسبت سے آپ ﷺ کو لفظ ذکر سے یاد کیا۔

حضرت امام ابن جریرؒ بھی اس کو درست بتلاتے ہیں

(م۔ابن کثیر۔ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید، ص670)

حضرت مولانا صلاح الدین یوسف تفسیری حواشی، ص1595 میں لکھتے ہیں۔

''رسول'' ذکر سے بدل ہے، بطور مبالغہ رسول کو ذکر سے تعبیر فرمایا جیسے کہتے ہیں وہ تو مجسم عدل ہے۔''

(شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ، سعودی عرب)

قارئین کرام! اسلاف او رہر سہ مکاتب فکر کے اِن تمام حوالہ جات سے واضح ہوا کہ نبی رحمت ﷺ نے اس کثرت سے ذکر فرمایا کہ مجسم ذکر اور سراپا ذکر بن گئے۔ آپ ﷺ کی صحبت کا رنگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ایسا چڑھا کہ وہ بھی مجسم ذکر بن گئے۔

''صحابہ کرامؓ جن کے مبارک وجود تک ذاکر تھے۔''

(اسرار التنزیل، ج5،ص161)

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ (الزمر:23)

پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

برکاتِ نبوّت اور ذکر الٰہی کا یہ سیلاب تابعین وتبع تابعین کو ایسا سیراب کر گیا (بقیہ صفحہ نمبر 46)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ماخوذ: معارف القرآن

غزوہ تبوک ساعۃ العسرۃ یعنی نہایت تنگی اور تکلیف کے وقت، سخت موسم گرم میں اور جب کھجوروں کا فصل پک کر کاٹنے اور سنبھالنے کے لئے تیار تھا، پیش آیا۔ اس غزوہ میں جہاں کچھ منافقین نے شرکت نہ کی وہاں چند مخلصین بھی شامل نہ ہو سکے جن میں سے تین کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ ان کے نام کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ ہیں۔

حضرت کعب بن مالکؓ نے ربیع الثانی میں رحلت فرمائی۔ آپ کی زبانی صحیحین میں اس واقعہ کی تفصیل لکھی گئی ہے۔ جو آپ کی وفات کے مہینہ کی مناسبت سے اس ماہ کے شمارے میں پیش کی جارہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے جتنے غزوات میں شرکت کی میں ان سب میں بجز غزوۂ تبوک کے آپ کے ساتھ شریک رہا، البتہ غزوۂ بدر کا واقعہ چونکہ اچانک پیش آیا اور رسول ﷺ نے سب کو اس میں شریک ہونے کا حکم بھی نہیں دیا تھا، اور شریک نہ ہونے والوں پر کوئی عتاب بھی نہیں فرمایا تھا اس میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا، اور میں لیلۃ العقبہ کی بیعت میں بھی حاضر تھا، جس میں ہم نے اسلام کی حمایت و حفاظت کا معاہدہ کیا تھا، اور مجھے یہ بیعت عقبہ کی حاضری غزوۂ بدر کی حاضری سے بھی زیادہ محبوب ہے، اگر چہ غزوہ بدر لوگوں میں زیادہ مشہور ہے، اور میرا واقعہ غزوہ تبوک میں غیر حاضری کا یہ ہے کہ میں کسی وقت بھی اُس وقت سے زیادہ خوش حال اور مالدار نہ تھا...... بخدا میرے پاس کبھی اس سے پہلے دو سواریاں جمع نہیں ہوئی تھیں، جو اس وقت موجود تھیں۔

اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ غزوات کے معاملہ میں یہ تھی کہ مدینہ سے نکلنے کے وقت اپنے ارادے کے اخفاء کے لئے ایسا کرتے تھے کہ جس سمت میں جا کر جہاد کرنا ہوتا مدینہ سے اس کے خلاف سمت کو نکلتے تھے، تا کہ منافقین مخبری کر کے فریقِ مقابل کو آگاہ نہ کر دیں، اور فرمایا کرتے تھے کہ جنگ میں (اس طرح کا) خداع (دھوکہ) جائز ہے۔

یہاں تک کہ یہ غزوہ تبوک کا واقعہ پیش آیا، (یہ جہاد کئی وجہ سے ممتاز تھا) آپ نے سخت گرمی اور تنگدستی کی حالت میں اس جہاد کا قصد فرمایا، اور سفر بھی بڑی دُور کا تھا، مقابلہ پر دشمن کی قوت اور تعداد بہت زیادہ تھی، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس جہاد کا کھل کر اعلان کر دیا تا کہ مسلمان اس جہاد کے لئے پوری تیاری کر سکیں۔

اس جہاد میں شریک ہونے والوں کی تعداد صحیح مسلم کی روایت کے مطابق دس ہزار سے زائد تھی، اور حاکم کی روایت حضرت معاذؓ سے یہ ہے کہ ہم اس جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے تو ہماری تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔

اور اس جہاد میں نکلنے والوں کی کوئی فہرست نہیں لکھی گئی تھی اس لئے جو لوگ جہاد میں جانا نہیں چاہتے تھے ان کو یہ موقع مل گیا کہ ہم نہ گئے تو کسی کو خبر بھی نہ ہو گی، جس وقت رسول اللہ ﷺ اس جہاد کے لئے نکلے تو وہ وقت تھا کہ کھجوریں پک رہی تھیں، باغات والے ان میں مشغول تھے، اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی، اور جمعرات کے روز آپ ﷺ نے اس سفر کا آغاز کیا، اور سفر کے لئے آنحضرت ﷺ کو

جمعرات کا دن پسند تھا، خواہ سفر جہاد کا ہو یا کسی دوسرے مقصد کا۔

میرا حال یہ تھا کہ میں روز صبح کو ارادہ کرتا کہ جہاد کی تیاری کروں مگر بغیر کسی تیاری کے واپس آجاتا، میں دل میں کہتا تھا کہ میں جہاد پر قادر ہوں مجھے نکلنا چاہئے، مگر یوں ہی امروز و فردا میں میرا ارادہ ٹلتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمان جہاد کے لئے روانہ ہوگئے، پھر بھی میرے دل میں یہ آتا رہا کہ میں بھی روانہ ہو جاؤں اور کہیں راستہ میں مل جاؤں، اور کاش! کہ میں ایسا کر لیتا، مگر یہ کام (افسوس ہے کہ) نہ ہو سکا۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں مدینہ میں کہیں جاتا تو یہ بات مجھے غمگین کرتی تھی کہ اس وقت پورے مدینہ میں یا تو وہ لوگ نظر پڑتے تھے جو نفاق میں ڈوبے ہوئے تھے، یا پھر ایسے بیمار معذور جو قطعاً سفر کے قابل نہ تھے دوسری طرف پورے راستہ میں رسول اللہ ﷺ کو میرا خیال کہیں نہیں آیا یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے، اس وقت آپ ﷺ نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ کعب بن مالکؓ کو کیا ہوا (وہ کہاں ہیں)؟

بنو سلمہ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ ان کو جہاد سے ان کے عمدہ لباس اور اس پر نظر کرتے رہنے نے روکا ہے، حضرت معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا کہ تم نے یہ بری بات کہی ہے، یا رسول اللہ ﷺ بخدا میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور قریب تھا کہ میں اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر گھبرا کر تیار کر لیتا اور ایسی باتیں پیش کر دیتا جس کے ذریعہ میں رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے نکل جاتا اور اس کے لئے اپنے اہل اور دوستوں سے بھی مدد لے لیتا (میرے دل میں یہ خیالات و وساوس گھومتے رہے) یہاں تک کہ جب یہ خبر ملی کہ حضور ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو خیالاتِ فاسدہ میرے دل سے مٹ گئے اور میں نے سمجھ لیا کہ میں آپ ﷺ کی ناراضگی سے کسی ایسی بنیاد پر نہیں نکل سکتا جس میں جھوٹ ہو، اس لئے میں نے بالکل سچ بولنے کا عزم کر لیا کہ مجھے صرف سچ ہی نجات دلا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو (حسب عادت) چاشت کے وقت یعنی صبح کو آفتاب کچھ بلند ہونے کے وقت مدینہ میں داخل ہوئے اور عادتِ شریفہ یہی تھی کہ سفر سے واپسی کا عموماً یہی وقت ہوا کرتا تھا، اور عادت یہ تھی کہ پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے، دو رکعتیں پڑھتے، پھر حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے، اس کے بعد ازواج مطہراتؓ سے ملتے تھے۔

اسی عادت کے مطابق آپ ﷺ اول مسجد میں تشریف لے گئے، دو رکعت ادا کی، پھر مسجد میں بیٹھ گئے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو غزوہ تبوک میں نہ جانے والے منافقین جن کی تعداد اسی (80) سے کچھ اوپر تھی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹے عذر پیش کر کے اس پر جھوٹی قسمیں کھانے لگے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہری قول و قرار اور قسموں کو قبول کر لیا، اور ان کو بیعت کر لیا، ان کے لئے دعا مغفرت فرمائی اور ان کے باطنی حالات کو اللہ کے سپرد کیا۔

اسی حال میں میں بھی حاضر خدمت ہو گیا، اور چلتے چلتے سامنے جا کر بیٹھ گیا، جب میں نے سلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ایسا تبسم فرمایا جیسے ناراض آدمی کبھی کیا کرتا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا رُخ پھیر لیا، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ سے چہرۂ مبارک کیوں پھیرتے ہیں، خدا کی قسم! میں نے نفاق نہیں کیا، نہ دین کے معاملہ میں کسی شبہ و شک میں مبتلا ہوا، نہ اس میں کوئی تبدیلی کی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر جہاد میں کیوں نہیں گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی؟

میں نے عرض کیا بیشک یا رسول اللہ ﷺ اگر میں آپ ﷺ کے سوا دنیا کے کسی دوسرے آدمی کے سامنے بیٹھتا تو مجھے یقین ہے

کہ میں کوئی عذر گھڑ کر اس کی ناراضگی سے بچ جاتا، کیونکہ مجھے جدال اور بات بنانے میں مہارت حاصل ہے، لیکن قسم ہے اللہ کی کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اگر میں نے آپ ﷺ سے کوئی جھوٹی بات کہی جس سے آپ ﷺ وقتی طور پر راضی ہو جائیں تو کچھ دور نہیں کہ اللہ تعالیٰ..... حقیقت حال آپ ﷺ پر کھول کر مجھ سے ناراض کر دیں گے، اور اگر میں نے سچی بات بتلا دی جس سے بالفعل آپ مجھ پر ناراض ہوں تو مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دیں گے، صحیح بات یہ ہے کہ جہاد سے غائب رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں تھا، میں کسی وقت بھی مالی اور جسمانی طور پر اتنا قوی اور پیسے والا نہیں ہوا تھا جتنا اس وقت تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے تو سچ بولا ہے، پھر فرمایا کہ اچھا جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے متعلق کوئی فیصلہ فرما دیں، میں یہاں سے اُٹھ کر چلا تو بنی سلمہ کے چند آدمی میرے پیچھے لگے، اور کہنے لگے کہ اس سے پہلے تو ہمارے علم میں تم نے کوئی گناہ نہیں کیا، یہ تم نے کیا بے وقوفی کی کہ اس وقت کوئی عذر پیش کر دیتے جیسا دوسرے متخلفین نے پیش کیا، اور تمہارے گناہ کی معافی کے لئے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کرنا کافی ہو جاتا، بخدا یہ لوگ مجھے بار بار ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ میرے دل میں یہ خیال آ گیا کہ میں لوٹ جاؤں، اور پھر جا کر عرض کروں کہ میں نے جو بات پہلے کہی تھی وہ غلط تھی، میرا عذر صحیح موجود تھا۔

مگر پھر میں نے دل میں کہا کہ میں ایک گناہ کے دو گناہ نہ بناؤں، ایک گناہ تو تخلف کا سرزد ہو چکا ہے دوسرا گناہ جھوٹ بولنے کا کر گذروں، پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ متخلفین میں کوئی اور بھی میرے ساتھ ہے، جس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہو، ان لوگوں نے بتلایا کہ دو آدمی اور ہیں جنہوں نے تمہاری طرح اقرار جرم کر لیا، اور ان کو بھی وہی جواب دیا گیا جو تمہیں کہا گیا ہے، (کہ اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو) میں نے پوچھا کہ وہ دو کون ہیں، انہوں نے بتلایا کہ ایک مرارہ ابن ربیع العمری دوسرے ہلال بن اُمیہ واقفی ہیں۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے پہلے (یعنی مرارہؓ) کے تخلف کا تو سبب یہ ہوا کہ ان کا ایک باغ تھا جس کا پھل اس وقت پک رہا تھا، تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے اس سے پہلے بہت سے غزوات میں حصہ لیا ہے، اگر اس سال جہاد میں نہ جاؤ تو کیا جرم ہے، اس کے بعد جب انہیں اپنے گناہ پر تنبہ ہوا تو انہوں نے اللہ سے عہد کر لیا کہ یہ باغ میں نے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

اور دوسرے بزرگ حضرت ہلال بن اُمیہؓ کا یہ واقعہ ہوا کہ اُن کے اہل وعیال عرصہ سے متفرق تھے، اس موقع پر سب جمع ہو گئے تو یہ خیال کیا کہ اس سال میں جہاد میں نہ جاؤں اپنے اہل وعیال میں بسر کروں، ان کو بھی جب اپنے گناہ کا خیال آیا تو انہوں نے یہ عہد کیا کہ اب میں اپنے اہل وعیال سے علیحدگی اختیار کر لوں گا۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے ایسے دو بزرگوں کا ذکر کیا جو غزوہ بدر کے مجاہدین میں سے ہیں، تو میں نے کہا کہ بس میرے لئے انہی دونوں بزرگوں کا عمل قابلِ تقلید ہے، یہ کہہ کر میں اپنے گھر چلا گیا۔

ادھر رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو ہم تینوں کے ساتھ سلام کلام کرنے سے منع فرما دیا، اس وقت ہم تو سب مسلمانوں سے بدستور محبت کرتے تھے مگر اُن سب کا رُخ ہم سے پھر گیا تھا۔

ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ اب ہمارا حال یہ ہو گیا کہ ہم لوگوں کے پاس جاتے تو کوئی ہم سے کلام نہ کرتا نہ سلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس وقت ہماری دنیا بالکل بدل گئی ایسا معلوم ہونے لگا کہ نہ وہ لوگ ہیں جو پہلے تھے نہ ہمارے باغ اور مکان وہ ہیں جو پہلے تھے، سب اجنبی نظر آنے لگے، مجھے سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر میں اس حال میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں گے، یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضور ﷺ

کی وفات ہوگئی تو میں عمر بھر اسی طرح سب لوگوں میں ذلیل وخوار پھرتا رہوں گا، اس کی وجہ سے میرے لئے ساری زمین بیگانہ وویرانہ نظر آنے لگی، اسی حال میں ہم پر پچاس راتیں گذر گئیں، اس زمانہ میں میرے دونوں ساتھی (مرارہ اور ہلال) تو شکستہ دل ہوکر گھر میں بیٹھ رہے، اور رات دن روتے تھے، لیکن میں جوان آدمی تھا، باہر نکلتا اور چلتا پھرتا تھا اور نماز میں سب مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں پھرتا تھا مگر نہ کوئی مجھ سے کلام کرتا نہ میرے سلام کا جواب دیتا، رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں نماز کے بعد حاضر ہوتا اور سلام کرتا تو یہ دیکھا کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے لب مبارک کو جواب سلام کے لئے حرکت ہوئی یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا تو نظر چرا کر آپ کی طرف دیکھتا تو معلوم ہوتا کہ جب میں نماز میں مشغول ہوجاتا ہوں تو آپ ﷺ میری طرف دیکھتے ہیں اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا ہوں تو رُخ پھیر لیتے ہیں۔

جب لوگوں کی یہ بے وفائی دراز ہوئی تو ایک روز میں اپنے چچا زاد بھائی قتادہؓ کے پاس گیا جو میرے سب سے زیادہ دوست تھے میں اُن کے باغ میں دیوار پھاند کر داخل ہوا اور ان کو سلام کیا، خدا کی قسم! انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے پوچھا کہ اے قتادہؓ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہوں، اس پر بھی قتادہ نے سکوت کیا، کوئی جواب نہیں دیا، جب میں نے بار بار یہ سوال دہرایا تو تیسری یا چوتھی مرتبہ میں انہوں نے صرف اتنا کہا کہ اللہ جانتا ہے اور اس کا رسول ﷺ، میں رو پڑا اور اسی طرح دیوار پھاند کر باغ سے باہر آگیا، اسی زمانہ میں ایک روز میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ اچانک ملک شام کا ایک نطبی شخص جو غلہ فروخت کرنے کے لئے شام سے مدینہ میں آیا تھا اس کو دیکھا کہ لوگوں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا کوئی مجھے کعب بن مالکؓ کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے مجھے دیکھ کر میری طرف اشارہ کیا، وہ آدمی میرے پاس آگیا اور مجھے شاہِ غسان کا ایک خط دیا جو ایک ریشمی رومال پر لکھا ہوا تھا جس کا مضمون یہ تھا:

''امابعد! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ کے نبی ﷺ نے آپ سے بے وفائی کی اور آپ کو دور کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلت اور ہلاکت کی جگہ میں نہیں رکھا ہے، تم اگر ہمارے یہاں آنا پسند کرو تو آجاؤ ہم تمہاری مدد کریں گے۔''

میں نے جب یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ اور ایک میرا امتحان اور آزمائش آئی کہ اہل کفر کو مجھ سے اس کی طمع اور توقع ہوگئی (کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں) میں یہ خط لے کر آگے بڑھا ایک دُکان پر تنور لگا ہوا تھا اس میں جھونک دیا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گذر چکی تھیں تو اچانک دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک قاصد خزیمہ بن ثابت میرے پاس آرہے ہیں، آکر یہ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کرلو، میں نے پوچھا کہ کیا طلاق دیدوں یا کیا کروں، انہوں نے بتلایا کہ نہیں عملاً اس سے الگ رہو قریب نہ جاؤ، اسی طرح کا حکم میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا، میں نے بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکہ میں چلی جاؤ، اور وہیں رہو جب تک اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ فرمادیں۔

ہلال بن اُمیہؓ کی اہلیہ خولہ بنت عاصمؓ یہ حکم سُن کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ہلال بن اُمیہؓ ایک بوڑھے ضعیف آدمی ہیں اور کوئی ان کا خادم نہیں، ابن ابی شیبہؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ وہ ضعیف البصر بھی ہیں کیا آپ یہ پسند نہیں فرمائیں گے کہ میں ان کی خدمت کرتی رہوں، فرمایا کہ خدمت کرنے کی ممانعت نہیں البتہ وہ تمہارے پاس نہ جائیں، انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو بڑھاپے کی وجہ سے ایسے ہوگئے ہیں کہ انہیں کوئی حرکت ہی نہیں، اور واللہ اُن پر تو مسلسل گریہ طاری ہے رات دن روتے رہتے ہیں۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں مجھے بھی میرے بعض متعلقین

نے مشورہ دیا کہ تم بھی آنحضرت ﷺ سے بیوی کو ساتھ رکھنے کی اجازت لے لو جیسا کہ آپ نے ہلالؓ کو اجازت دیدی ہے، میں نے کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا، معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ کیا جواب دیں، اس کے علاوہ میں جوان آدمی ہوں (بیوی کو ساتھ رکھنا احتیاط کے خلاف ہے) چنانچہ اسی حال پر میں نے دس راتیں اور گذاریں، یہاں تک کہ پچاس راتیں مکمل ہوگئیں، مسند عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ اس وقت ہماری توبہ رسول اللہ ﷺ پر ایک تہائی رات گذرنے کے وقت نازل ہوئی، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جو اُس وقت حاضر تھیں انہوں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کعب بن مالکؓ کو اسی وقت اس کی خبر کردی جائے، آپ نے فرمایا کہ ایسا ہوا تو ابھی لوگوں کا ہجوم ہوجائے گا، رات کی نیند مشکل ہوجائے گی۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ پچاسویں رات کے بعد صبح کی نماز پڑھ کر میں اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا اور حالت وہ تھی جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے کہ مجھ پر میری جان اور زمین باوجود وسعت کے تنگ ہوچکی تھی، اچانک میں نے سلع پہاڑ کے اوپر سے کسی چلانے والے آدمی کی آواز سنی جو بلند آواز سے کہہ رہا تھا کہ اے کعب بن مالکؓ بشارت ہو۔

محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ یہ بلند آواز سے کہنے والے ابوبکرؓ تھے جنہوں نے جبل سلع پر چڑھ کر یہ آواز دی کہ اللہ نے کعبؓ کی توبہ قبول فرمالی بشارت ہو، اور عقبہ کی روایت میں یہ ہے کہ یہ خوشخبری حضرت کعبؓ کو سنانے کے لئے دو آدمی دوڑے ان میں سے ایک آگے بڑھ گیا تو جو پیچھے رہ گیا تھا اس نے یہ کیا کہ سلع پہاڑ پر چڑھ کر آواز دیدی اور کہا جاتا ہے کہ یہ دوڑنے والے دو بزرگ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما تھے۔

کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر گیا اور انتہائی فرحت سے رونے لگا، اور مجھے معلوم ہوگیا کہ اب کشادگی آگئی، رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز کے بعد صحابہ کرام کو ہماری توبہ قبول ہونے کی خبر دی تھی، اب سب طرف سے لوگ ہم تینوں کو مبارک دینے کے لئے دوڑ پڑے، بعض لوگ گھوڑے پر سوار ہوکر میرے پاس پہنچے مگر پہاڑ سے آواز دینے والے کی آواز سب سے پہلے پہنچ گئی۔

کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لئے نکلا تو لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دینے کے لئے آرہے تھے، کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبویؐ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، آپ کے گرد صحابہ کرامؓ کا مجمع ہے، مجھے دیکھ کر سب سے پہلے طلحہ بن عبیداللہ کھڑے ہوکر میری طرف لپکے اور مجھ سے مصافحہ کرکے قبول توبہ پر مبارک بادی دی، طلحہؓ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھولتا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی کی وجہ سے چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا کہ اے کعبؓ! بشارت ہو تمہیں ایسے مبارک دن کی جو تمہاری عمر میں پیدائش سے لے کر آج تک سب سے زیادہ بہتر دن ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ یہ حکم آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ہے تم نے سچ بولا تھا اللہ تعالیٰ نے تمہاری سچائی کو ظاہر فرمادیا۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سب مال و متاع سے نکل جاؤں کہ سب کو اللہ کی راہ میں صدقہ کردوں، آپ نے فرمایا نہیں کچھ مال اپنی ضرورت کے لئے رہنے دو یہ بہتر ہے، میں نے عرض کیا کہ اچھا آدھا مال صدقہ کردوں، آپ نے اس سے بھی انکار فرمایا، میں نے پھر ایک تہائی مال کی اجازت مانگی، تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی ہے اس لئے میں عہد کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں کبھی سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا، (بقیہ صفحہ نمبر 30 پر)

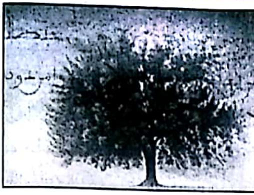

خواتین کا صفحہ

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ کی زندگی اور تنگی:

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ، حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ اور حضرت عائشہؓ کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں ہیں۔ شروع ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور حضرت اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زیدؓ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل وعیال کو لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت اسماءؓ بھی چلی آئیں۔ جب قبا میں پہنچیں تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی اس زمانہ کی عام غربت، تنگ دستی اور فقروفاقہ مشہور ومعروف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں۔ بخاری میں حضرت اسماءؓ کا طرز زندگی خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیرؓ سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائیداد نہ کوئی خادم کام کرنے والا نہ کوئی اور چیز، ایک اونٹ پانی لادکر لانے والا اور ایک گھوڑا۔ میں ہی اونٹ کے لئے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی مگر اب سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لئے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی۔ وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔ حضور اقدس ﷺ نے مدینہ پہنچنے پر زبیرؓ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دیدی جو دو میل کے قریب تھی، میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور کی گٹھلیاں لادکر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اسی طرح آرہی تھی اور گٹھری میرے سر پر تھی۔ راستہ میں حضور اقدس ﷺ مل گئے اونٹ پر تشریف لارہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھیرایا اور اس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر سوار ہوجاؤں۔ مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیرؓ کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کو بھی یہ ناگوار ہوگا۔ حضور ﷺ میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے میں گھر آئی اور زبیرؓ کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور ﷺ ملے اور یہ ارشاد فرمایا۔ مجھے شرم آئی اور تمہاری غیرت کا بھی خیال آیا۔ زبیرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے۔ اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے) اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم جو حضور ﷺ نے ان کو دیا تھا میرے پاس بھیج دیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی گویا بڑی قید سے میں آزاد ہوگئی (1) عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دل کر پھر پانی میں بھگوکر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماءؓ کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا:

جب حضرت ابوبکرؓ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت در پیش ہو کہ حضور اقدسؐ بھی ساتھ تھے۔ اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے والد ابوقحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ پوتیوں کے پاس تسلی کے لئے آئے۔ آ کر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکرؓ نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماءؓ کہتی ہیں۔ میں نے کہا نہیں دادا ابا وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں یہ کہہ کر میں نے چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابوبکرؓ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادا کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا۔ جس سے انہوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے خیر یہ اس نے اچھا کیا تمہارے گزارے کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا مگر میں نے دادا کی تسلی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو (2) یہ دل گردے کی بات ہے ورنہ دادا سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہئے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا ان پر ہی تھا۔ ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی دوسرے گزارا کی کوئی صورت ظاہر نہیں۔ پھر مکہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق مگر اللہ جل شانہ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اوّل میں نہایت مال دار اور بہت بڑے تاجر تھے لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوہ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی کچھ لا دیا اسی وجہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے، میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں مگر ابوبکر صدیقؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

حضرت اسماءؓ کی سخاوت:

حضرت اسماء بڑی سخی تھیں اول جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں مگر جب حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کرو اور حساب نہ لگایا کرو کہ جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کیا کرو، تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو کہ اگر ضرورت سے زیادتی کا انتظار کرتی رہوں گی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ ہو گی (3) ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ وخیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آج کل مسلمانوں میں افلاس و تنگی کی عام شکایت ہے۔ مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فرقہ ہو جاتا ہو۔

حوالے: (1) بخاری فتح (2) مسند احمد (3) طبقات

ضرورت رشتہ

لاہور کی رہائشی ایک لڑکی، خوش شکل، دراز قد، عمر 28 سال، تعلیم M.A کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے وابستہ لوگ مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ 0307-4546278

ضرورت رشتہ

دو بہنیں جن کی عمر 26 اور 27 سال ہے، تعلیم M.A اکنامکس، کے لئے سلسلہ عالیہ، خاص کر کراچی کے رہائشی اشخاص کا رشتہ درکار ہے۔ مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ 0300-7316792

0321-2492757

بچوں کا صفحہ

مدینہ منورہ میں آمد

قسط نمبر 8

خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

تحریر: ع خان، لاہور

مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے مقام قبا (مدینہ منورہ سے جنوبی سمت دو میل کے فاصلے پر ایک گاؤں) میں چند روز قیام فرمایا۔ آپ ﷺ کا یہ قیام وہاں کے سردار کلثوم بن ہدم کے ہاں تھا۔ بچو! یہ بڑا ہی شاداب علاقہ ہے جہاں انگوروں، کھجوروں، انجیروں اور اناروں کے بے شمار باغات ہیں۔ آپ ﷺ کے اس قیام کے دوران ہی حضرت علیؓ (جو کہ مکہ میں لوگوں کی امانتیں واپس لوٹانے کے لئے رُک گئے تھے) بھی مومنین کی ایک جماعت کے ساتھ قبا پہنچ گئے۔ جمعہ کے روز نبی اکرم ﷺ اپنی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا پر سوار ہو کر خاص مدینہ شہر کے لئے روانہ ہوئے۔

بہت سی روایات کے مطابق نبی اکرم ﷺ کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری بارہ ربیع الاوّل بروز پیر (دوشنبہ) کو ہوئی۔ آپ ﷺ کی عمر مبارک اس وقت 53 سال تھی۔

جی بچو! میں آپ کو بتا رہی تھی کہ جمعہ کے روز ہمارے نبی اکرم ﷺ خاص مدینہ شہر کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مقام بنوسالم بن عوف پر جمعہ کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے وہیں وادی میں اپنے سو ہمراہی مسلمانوں کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو آپ ﷺ نے نواح مدینہ میں ادا فرمایا تھا، اور اس روز آپ ﷺ کا سب سے پہلا خطبہ تھا جو اسلام میں دیا گیا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہوئے اور اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ دی۔ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے لوگوں کو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ لوگ راستوں میں آپ ﷺ کے استقبال کے لئے جمع تھے اور اُن کی خوشی اور مسرت اس روز دیکھنے کے لائق تھی۔ اُن لوگوں نے آپ ﷺ کا بڑا ہی زبردست اور خوشیوں بھرا استقبال کیا۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔

طلع البدر علینا ...... من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ...... ما دعا للہ داع

ایھا المبعوث فینا ...... جئت بالامر المطاع

اس بلند مقام سے جہاں سے مدینہ کے مسافرین کو رخصت کیا جاتا ہے ہم پر بدرِ کامل کا ظہور ہوا ہے۔ ہم پر اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت اسلامی کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔

نیزہ بازوں نے اپنے فنِ نیزہ بازی کا مظاہرہ کیا (نیزہ بازی ایک فن ہے جو اس وقت بہت مقبول تھا۔) انصار کے بہت سے لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں تحفے اور ہدایا پیش کئے۔ بچو! اُس روز مدینہ منورہ میں ہر ایمان والے کی خواہش تھی کہ نبی اکرم ﷺ اُن کے ہاں قیام فرمائیں۔ آپ ﷺ کی اونٹنی جہاں جہاں سے گزرتی لوگ محبت سے اس کی مہار تھام تھام لیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد چھوڑ دو۔ یہ خود بخود اُس جگہ جا کر رک جائے گی جہاں اللہ تعالیٰ کو اس کا رُکنا منظور ہو گا۔ یہاں تک کہ اونٹنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے پاس ایک خالی جگہ پر رُک گئی۔ یہ جگہ قبیلہ بنونجار کے دو کمسن بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ وہ لوگ یہاں اپنی کھجوریں خشک کیا کرتے تھے۔ جب اونٹنی اس جگہ پر رکی تو آپ ﷺ نیچے نہیں اُترے۔ اونٹنی پھر اٹھی، تھوڑی

دیر تک چلی اور گھوم پھر کر وہیں آ کر بیٹھ گئی اور اس نے اپنی گردن جھکا دی۔ تب آپ ﷺ اس پر سے اترے اور فیصلہ فرمایا کہ اس جگہ پر مسجد نبوی ﷺ اور آپ ﷺ کے حجرے مبارک (قیام گاہ) تعمیر کئے جائیں گے۔ آپ ﷺ نے سہل اور سہیل دونوں بھائیوں کو بلایا تا کہ زمین کی قیمت کا معاملہ طے کیا جائے۔ دونوں بھائیوں نے اس کی قیمت لینے سے انکار کر دیا اور عرض کی کہ ہم یہ زمین تحفۃً پیش کرتے ہیں، لیکن نبی اکرم ﷺ نے یہ بات قبول نہیں فرمائی اور زمین کا یہ ٹکڑا سونے کے دس دینار دے کر خرید لیا۔ یہ سعادت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حصے میں آئی ہے کہ یہ قیمت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ سامان اور اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ جب تک مسجد نبوی اور حجرہ مبارک کی تعمیر ہوتی رہی تب تک نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوایوب انصاری کے ہاں قیام فرمایا۔

مسجد نبوی کی تعمیر:

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کروائی۔ اس مبارک مسجد کا مسلمانوں کی زندگی میں بہت اہم کردار (Role) تھا۔ یہ مسجد نماز کی ادائیگی کے علاوہ صحابہ کرامؓ کے جمع ہونے، مشورہ کرنے، وفود (Delegations) کے استقبال کرنے اور نبی اکرم ﷺ کی صحبت عالی میں بیٹھ کر احکام سیکھنے کا اہم ترین مرکز تھی۔

مسجد کی تعمیر میں نبی اکرم ﷺ نے خود بھی شرکت فرمائی۔ آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ اینٹیں اٹھا اٹھا کر معمار کو دیتے جاتے اور یہ مصرعے پڑھتے جاتے تھے۔

اِن الاجر اَجر الأخِرہ

واقعی اصلی اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے۔

فارحم الانصار والمهاجره

پس اے اللہ تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

ربیع الاوّل سے صفر تک مسجد کی تعمیر ہوتی رہی۔ مسجد نبوی ﷺ کی بنیادیں پتھروں، دیواریں اینٹوں، چھت کھجور کی شاخوں اور ستون کھجور کے تنے کے تھے۔ اس میں کسی بھی قسم کی آرائش اور نقش و نگار نہ تھے۔

نبی اکرم ﷺ اور جماعت مومنین کی مدینہ منورہ ہجرت نے ایک نئے معاشرے، ماحول، رہن سہن اور نئے آداب زندگی کو جنم دیا جس کا مدینہ منورہ کے اردگرد کے علاقوں پر بھی بے حد اثر پڑا ایک ایسا خوبصورت نظام حکومت وجود میں آیا جس کو خود نبی اکرم ﷺ چلا

صفحہ نمبر 37 سے آگے

کہ وہ بغیر کسی محنت و مجاہدہ کے محض ایمان اور صحبت کی برکت سے سراپا ذکر بن گئے بقول قتادہؒ اولیاء اللہ کو بھی یہ نعمت نصیب ہوگئی۔

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ (آل عمران: 191)

ترجمہ: اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں)

اے کاش! ہم مسلمان بھی اتباع رسول ﷺ اور اتباع صحابہ کرامؓ میں اس کثرت اور اس انداز سے ذکر کریں کہ مجسم ذکر اور سراپا ذکر بن جائیں۔

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت امیر محمد اکرم اعوان دامت فیوضہم فرماتے ہیں۔

''میں یہ بات ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ میں ایک نگاہ میں ایک شخص کے وجود کے ایک ایک ذرّے کو اللہ کا ذکر سکھا سکتا ہوں۔ یہ مجھ پر اللہ کا احسان ہے۔ جس کام کے لئے برسوں لگتے ہیں، جس کے لئے بڑے بڑے صوفی برسوں کا وقت طلب کرتے ہیں مجھے اللہ نے یہ قوت بخشی ہے کہ وہ بات میں ایک لمحے میں کر سکتا ہوں۔ یہ اللہ کی عطا ہے۔'' (کنز الطالبین، ص 101)

ضرورت رشتہ

سلسلہ عالیہ کے ساتھی عمر 42 سال، سمارٹ قد، لوہے کا کاروبار شاہ کوٹ مین بازار میں، کے لئے سلسلہ عالیہ سے منسلک ساتھی کا مناسب رشتہ درکار ہے۔

رابطہ نمبر

0321-7942183

0301-7149082

مسائی جمیلہ

”الاخوات“ لاہور

کے زیرِ اہتمام ایک پروگرام

مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہو“

الاخوات لاہور نے ہفتہ 23 نومبر 2013ء/ 18 محرم الحرام 1435 ہجری کو ڈیفنس کمیونٹی سینٹر میں ایک انتہائی اہم موضوع پر اللہ کی توفیق سے ایک اہم پروگرام منعقد کیا۔ یہ موضوع تھا ”مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہو۔“ آج عہد حاضرہ میں جب دنیا کی کمان مغرب نے سنبھال رکھی ہے اور جدید علوم وسائنس کے افق پر انہی کی حکمرانی ہے اور مسلمان اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود کفار کی غلامی کر رہے ہیں تو لامحالہ یہ تاثر آج کے مسلمانوں میں یقین کا درجہ پا چکا ہے کہ شاید ترقی، عروج وکمال ہمیشہ سے کفار ہی کے پاس تھا۔ اس سلسلے میں ماضی کے حقائق سے پردہ اٹھانا ازحد ضروری تھا اور اُس سنہری دور کا چہرہ دکھانا ناگزیر تھا۔ اپنے اسلاف سے اس قدر غیر آشنا قوم بھلا اُن کی میراث کب پاسکتی تھی اور یہی ہماری تنزلی کا سب سے بڑا سبب تھا۔ ہمارے اسلاف نے تو اپنے سارے کمالات کا ورثہ چھوڑا لیکن جب وارث ہی ناخلف ہوں تو کیا ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اس پروگرام میں ماضی کے عہد زریں، اسباب زوال اور اس کے علاج یعنی مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہوسکتی ہے پر سیر حاصل روشنی ڈالی گئی۔

الاخوات لاہور کا مقصد مسئلے کی بنیاد کو اجاگر کرنا تھا۔ دین کی عظمت کو واضح کرنا تھا۔ جب دین کی عظمت کا احساس اجاگر ہوگا تب ہی اس کے ساتھ وابستہ ہونے کی اہمیت کا احساس ہوگا۔ تو اُن عظیم ہستیوں کے مایہ ناز کارناموں سے نقاب کشائی ضروری ہوجاتی ہے جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کی عظمت منوانے اور ثابت کرنے میں صرف کردیں۔ وہ لوگ جن کی نشست وبرخاست، لین دین، محبت ونفرت، دوستی ودشمنی، صلح وجنگ ہر ادا اس بات کی گواہ تھی کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دن حصولِ علم اور راتیں سجدوں میں بسر ہوتی تھیں۔ اسلام کے انہی درخشندہ ستاروں کی شبانہ روز جانفشانی سے ایک مدتِ دراز تک مسلمانوں کا عہد زریں قائم رہا۔

کمیونٹی سینٹر ڈیفنس لاہور کا ہال نمبر 2 خوبصورتی اور سادگی سے سجا ہوا تھا۔ اسٹیج کے پس منظر میں مہر نبوت سے سجا بینر کہہ رہا تھا ”مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہو“ اور ماحول میں ایک خاص سکون اور مسرت کا احساس تھا۔ پروگرام کا وقت 12-10 رکھا گیا تھا۔ تاہم مہمانوں کی آمد اور نشستوں پر بیٹھنے میں چند منٹوں کی تاخیر ہوئی۔ اسٹیج سیکرٹری کی خدمات ہما حیات صاحبہ نے سرانجام دیں۔ پروگرام کے آغاز میں ہما حیات صاحبہ نے مختصر سے الفاظ میں موضوع بحث کا تعارف پیش کیا۔ علم کی اہمیت اور اسلام میں علم کی عظمت کی بات کی۔ اللہ کے پاک کلام کی تلاوت سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا گیا اور تلاوت کے لئے سورۃ النور کی آیۂ استخلاف کا انتخاب حسب موقع تھا قاریہ نے خوبصورت انداز میں قرأت کرکے ماحول کو انتہائی پرسکون کردیا۔ شرکاء محفل نے پورے انہماک سے تلاوت کلام پاک کو سنا۔ ابھی اس سحر سے نکلے نہ تھے کہ نعتِ رسول ﷺ کی سعادت حاصل کرنے والی ساتھی نے نعت پیش کرکے ہر آنکھ کو اشکبار کردیا۔ شیخ المکرم مدظلہ العالی کی عشق نبوی سے لبریز نعت،

چند گھڑیوں کے لئے جالی اطہر کے قریب
بعد مدت کے مجھے لے کے آیا ہے نصیب

پیش کرتے ہوئے نعت خواں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں تو اُن کے دل سے نکلی ہوئی اس نعت نے سامعین پر کیا اثر کیا ہوگا، اندازہ

لگایا جاسکتا ہے۔ موضوع کو تین عنوانوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ پہلا بیان ''مسلمانوں کا عہد زریں'' دوسرا بیان ''زوال کے اسباب'' اور تیسرا اور سب سے اہم بیان ''مسلمان کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہو'' تھا۔

سٹیج سیکرٹری نے سب سے پہلے صدر الاخوات ملیحہ وحید صاحبہ کو دعوت دی کہ وہ مسلمانوں کے اس عہد زریں کے بارے میں روشنی ڈالیں جب دنیا میں ہر طرف، ہر شعبے میں، ہر فن میں وہ سب سے آگے تھے۔ صدر صاحبہ نے بہت تحقیق اور محنت سے تیار کردہ حقائق کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کیا۔ اُن حقائق سے پردہ اٹھایا جس سے بہت پہلے ہمارے تعلیمی نصاب میں ہماری قوم کو روشناس کرایا جانا چاہیے تھا۔ انہوں نے تاریخ کے اعتبار سے بتایا کہ جس دور میں اسلام دنیا پر طلوع ہوا اس وقت کے دور کو عہد جاہلیت یا Dark Ages کہا جاتا ہے۔ اسلام نے دنیا کو منور کیا اور ہر ظلمت مٹ گئی۔ آپ ﷺ نے اللہ کے دین کو اس کی مخلوق تک پہنچایا اور آپ ﷺ کے مخلص خدام نے یہ روشنی معلوم دنیا تک پہنچادی۔ وہ لوگ جو اُن کے بعد آئے انہوں نے علم کے ورثے کو اگلی نسلوں تک پہنچایا۔ دنیا بھر کے علوم کو یکجا کیا اور عربی تراجم کیے گئے۔ جبکہ ہر شعبے میں نئی نئی ایجادات اور تحقیق مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا۔ فن حرب ہو یا سائنس کا کوئی شعبہ، فن تجارت ہو یا کاشتکاری، درس وتدریس کے اصول ہوں یا معاشیات کی نکتہ بینیاں۔ ریاضی ہو یا الجبراء کے اصول، طب ہو یا جراحی کے آلات وانداز، علم نجوم ہو یا کہکشاؤں کی وسعتیں مسلمان علماء کے احاطہ علوم میں شامل تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ جس وقت بغداد کی گلیاں پختہ تھیں اور اُن پر کھبے نصب تھے جن پر لیمپ لٹک رہے ہوتے تھے جن کی روشنی میں مسافر دور تک آرام سے چل سکتا تھا۔ اسی دور میں لندن کی گلیاں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ پیرس کی گلیوں میں کیچڑ بھرا ہوتا تھا۔ مورخ مغرب کو اس دور میں Wild wild west کے نام سے موسوم کرتا ہے جبکہ یورپ میں رہنے والے کو Caveman کہتا ہے یعنی ایسے لوگ جنہیں معاشرت سے کوئی مس نہ تھا غاروں میں رہنے والے لوگ تھے۔ صدر الاخوات نے مغربی مورخین ودانشوروں کے حوالے پیش کیے جس میں انہوں اعتراف کیا ہے کہ دنیا کو تہذیب وعلوم سے آشنا کرنے والے اہل قرآن تھے۔ اور عرب کی سرزمین سے ہی تمدن وعلوم کے چراغ روشن ہوئے اور تمام علوم وفنون کے بانی وسرپرست وہ لوگ تھے جو صحرا سے اٹھے اور بادِ صبا کی طرح روئے زمین کو بہار آشنا کر گئے۔

اس ایمان افروز بیان نے سامعین کو بالخصوص نوجوان بچیوں کو بہت متاثر کیا جن کے لئے یہ احساس بہت خوش کن تھا کہ مسلمان ہی جدید تہذیب کے، اور علم وترقی کے حقیقی معمار ہیں۔

اسلاف کی عظمت سے آشنائی آئندہ نسلوں کی حوصلہ افزائی اور ترقی کے لیے بہت اہم ہے۔ صدر صاحبہ کے بیان کے بعد سٹیج سیکرٹری صاحبہ نے اگلے موضوع ''زوال کے اسباب'' پر گفتگو کرنے کے لئے سلسلہ عالیہ سے وابستہ ساتھی کو دعوت دی۔ انہوں نے مسلمانوں کے زوال کو اس حوالے سے پیش کیا کہ انسان کا مقصد تخلیق سے بے خبر ہونا اس کے زوال وپستی کا سبب بن جاتا ہے۔ انسان کی عظمت روح کے سبب سے ہے اور معرفت الٰہی کی استعداد صرف انسان کو نصیب ہوئی۔ لیکن انسان اپنے رب سے نا آشنا ہوکر اپنے ارفع مقام سے نیچے گر گیا۔ مسلمانوں کے زوال کا ایک بہت بڑا سبب دین ودنیا کو الگ الگ کر دینا ہے۔ دینی اور دنیوی علوم کو الگ کر دینا امت کا المیہ ہے۔ جبکہ ''العلم'' کی تعریف جو حدیث مبارکہ میں آئی وہ یہ ہے ''العلم علمان، علم الابدان وعلم الادیان'' کہ علم دو علوم کا مجموعہ ہے علم الابدان، Physical sciences اور ان کا تعلق مادی مخلوق سے ہے اور علم الادیان، ان کا تعلق علوم نبوت سے ہے روحانی علوم سے ہے۔ یہ دونوں علوم ملتے ہیں تو جامع اور کامل علم بنتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اسلام کو اگر ایک لفظ میں سمویا جائے تو وہ لفظ علم ہے۔ اور اسلام کفر کے خلاف نہیں بلکہ جہالت کے خلاف ہے جبکہ کفر جہالت کے درخت پر لگنے والا پھل ہے۔

ماضی قریب میں برصغیر میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام کی کامیابی اور انگریز کی آمد کے بعد اُس کی ساکھ کو کیسے مجروح کیا گیا اس پر تفصیلی

بات کی گئی۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے جامعات کہلاتے تھے۔ وہاں دنیوی و دینی علوم دونوں سکھائے جاتے تھے۔ جامعات کے پاس جاگیریں ہوتی تھیں جن سے جامعات کے اخراجات چلائے جاتے تھے۔ وہاں سے فارغ التحصیل افراد دنیوی علوم وفنون کے ساتھ ساتھ قرآن، حدیث وفقہ کا علم بھی رکھتے تھے۔ ان میں سے کوئی فوجی بنتا یا قاضی، طبیب بنتا یا ادیب قرآن وحدیث میں بھی ماہر ہوتا۔ انگریز نے جامعات سے جاگیریں چھین لیں جس کے بعد وہ تمام علوم کی تدریس جاری نہ رکھ سکے۔ علماء نے زکوٰۃ وصدقات پر گذارہ کرنا گوارا کرلیا اور قرآن حدیث وفقہ کی تعلیم وتدریس جاری رکھی۔ انگریز نے ایک متوازی تعلیمی نظام متعارف کرادیا جس کا مقصد غلام پیدا کرنا تھا۔ مسلمانوں کے اداروں سے فارغ التحصیل افراد پر روزگار کے دروازے بند کردیے گئے اور یوں دینی اور دنیوی علوم کے راستے الگ کردیئے گئے۔ اور بحیثیت قوم غلامی کی ذلت اور زوال کا شکار ہوئے۔ دین کی تعریف کرتے ہوئے حدیث احسان بھی دہرائی گئی جو مختصراً یہ ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند سوال عرض کئے جن میں سے ایک سوال یہ تھا کہ احسان کیا ہے؟ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اور اگر یہ نہیں تو یہ یقین تو ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو بیان کرکے تزکیہ اور تحصیل علم کے رشتہ کو واضح کرنا تھا تاکہ آج کے دور میں ظاہری علوم دینی کے باوجود کردار کی پستی کا بھی ادراک ہوسکے۔ انگریز نے انسانی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے کس طرح سے ہمارے معاشرے کو تقسیم کیا اور اس کا اثر دین پر کیا مرتب ہوا اس حقیقت سے بھی سامعین کو آگاہ کیا گیا۔ امام مسجد کو نچلی ذات میں درج کرکے اعلیٰ نسب اور علماء کو اس منصب سے دور کردیا گیا کہ وہ کمین یعنی نچلی ذات والا کہلانا نہیں چاہتے تھے۔ جبکہ کسی بھی نچلے طبقے کے فرد کے لئے امام مسجد کا منصب بہت بڑا تھا۔ لہٰذا اعلیٰ خاندان کے لوگ پیچھے ہٹ گئے اور گاؤں کا کمی امام مسجد بن گیا۔ یہی امام مسجد گاؤں کے چوہدری کے سامنے زمین پر بیٹھ کر دین بتاتا۔ تو کس کس طرح سے اسلام کو بے توقیر کرنے کی سازش ہوئی۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ اسلام اللہ کا دین ہے اور اس کی حفاظت اللہ کریم خود فرماتے ہیں۔ اسلام کو کوئی خطرہ نہیں البتہ جو اس سے وفا نہیں کرے گا وہ خطرے میں ہے۔

اس کے بعد سٹیج سیکرٹری نے صدر صاحبہ کو نعتِ رسول مقبول ﷺ پیش کرنے کے لئے مدعو کیا۔

شیخ المکرم مدظلہ العالی کا کلام ہو، حضور ﷺ کی نعت ہو تو کیفیات قلبی کا سیلِ رواں آنکھوں سے نہ بہے، یہ ناممکن ہے۔ نعت بھی عین حسب موقع تھی۔

تیری یاد ہمسفر ہے، تیری یاد دلربا ہے
وہ جگہ ہے میری منزل جہاں تیری خاک پا ہے

درحقیقت مومن کی منزل وہی ہے جہاں آقائے نامدار کے نقش کف پا ہیں۔ اور جب ہم نے دوسری اقوام کو رہبر بنالیا تو راہ سے بھٹک گئے۔ نعت کے اشعار میں شیخ المکرم مدظلہ العالی کے دل میں امت کا درد ہر دل نے ضرور محسوس کیا ہوگا۔ نعت کے بعد محترمہ ثمینہ افتخار اعوان صاحبہ کو اُمت کی کھوئی ہوئی عظمت کیسے بحال ہو؟ کے موضوع پر اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دی گئی۔ محترمہ ثمینہ صاحبہ کے بیان میں بے ساختگی، سادگی اور اپنائیت کا غلبہ تھا۔ سامعین نے اُن کی باتوں کو دل میں اترتے محسوس کیا۔ انہوں نے اپنی بات کا آغاز موضوع بحث کے بارے میں رائے سے کیا۔ کہ عہدِ زریں کا تذکرہ کسی بھی دردِ دل رکھنے والے مسلمان کی دکھتی رگ چھیڑنے کے مترادف ہے۔ علامہ اقبال مرحوم کی فکر وکلام کو بھی جابجا موقع کی مناسبت سے سامعین کو سنایا۔ ثمینہ صاحبہ نے ظہور اسلام کے حوالے سے اس بات پر زور دیا کہ حضور ﷺ نے کوہ صفا پر جلوہ افروز ہوکر اہل مکہ کو دعوت دیتے وقت اُن سے اپنے اعلیٰ کردار، صداقت اور امانت داری کی گواہی مانگی۔ یعنی اپنا سچا اور کھرا چالیس سالہ دور اہل مکہ کے سامنے پیش کیا اور دلیل کے طور پر پیش کیا۔

انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ آپ ﷺ کے صحبت یافتہ انسانی بلندیوں پر فائز ہوئے۔ اُن کی فضیلت بعد میں آنے والے مسلمانوں پر نماز، روزہ، عبادات صدقہ خیرات کی وجہ سے نہیں ہیں بلکہ اُن کے قلوب کی روشنی اور خلوص کی وجہ سے ہے جو انہوں نے آپ ﷺ کی صحبت عالی کے ایک لمحے یا ایک نگاہ میں نصیب ہوگئی۔ ثمینہ صاحب نے بتایا کہ جب صحابہ کرامؓ پر مکہ میں عرصہ حیات بہت تنگ کر دیا گیا تو چند صحابہؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے حبشہ ہجرت فرمائی۔ نجاشی کے دربار میں حاضری ہوئی تو اس نے ایک سوال یہ پوچھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والی ہستی نے کبھی جھوٹ بولا ہے؟ تو جواب میں کردار ہی پیش کیا گیا۔

ثمینہ صاحبہ نے اس بات پر زور دیا کہ اصل چیز انسان کا کردار ہوتا ہے۔ اور اسلام روئے زمین پر صحابہ کرامؓ کے کردار کی روشنی سے پھیلا۔ مسلمان فاتح بن کر جس ملک یا شہر پر قابض ہوتے تو شہر کے لوگ میدان جنگ سے آنے والے لوگوں سے پوچھتے کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ تو وہ انہیں بتاتے کہ یہ حالت جنگ میں بھی کسی کمزور، بچے، بوڑھے کو تنگ نہیں کرتے۔ عبادت خانوں کو نشانہ نہیں بناتے، عورتوں کی بے حرمتی نہیں کرتے۔ اُن کے کردار کے یہ روشن پہلو دیکھ کر لوگ کلمہ پڑھ لیتے۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اُن عظیم ہستیوں کے قدموں میں ڈھیر ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں چوبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا جو تاریخ میں ایک فاتح کا سب سے زیادہ مفتوحہ علاقہ ہے۔ جب بیت المقدس کی چابیاں حوالے کرنے کا موقع آیا تو عیسائی عالموں نے فرمائش کی کہ امیر المومنین خود تشریف لائیں۔ ہم اُن کے حلیے سے پہچان لیں گے جیسا کہ ہماری کتاب میں بیان ہوا ہے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ بنفس نفیس تشریف لے گئے۔ جب بیت المقدس میں پہنچے تو اپنا کردار یہ پیش کیا کہ خادم سواری پر سوار تھا اور آپؓ لگام تھامے چل رہے تھے۔ اسی طرح تاریخ کے اوراق الٹتے ہوئے انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے کردار کی جھلک دکھائی کہ خلیفہ بننے کے بعد انہوں نے ہر قسم کی خواہشات نفس سے کیسے کنارہ کیا اور منصب خلافت امانت داری سے نبھایا۔ پھر محمد بن قاسمؒ کا تذکرہ کیا جنہوں نے 17 سال کی عمر میں سندھ فتح کیا۔ جب وہ سندھ میں آئے تو وہاں کے لوگ یہی پوچھتے تھے کہ یہ کیسے لوگ ہیں؟ تو انہیں بتایا جاتا کہ یہ کمزوروں، بوڑھے اور بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ فصلیں تباہ نہیں کرتے۔ جو اپنے گھر میں چلا جائے اس سے جنگ نہیں کرتے۔ ان مسلمانوں کے پاس کیا تھا۔ اُن کا کردار تھا۔ اسلام کے دشمنوں نے جتنی محنت ہمیں مٹانے پر کی ہے افسوس ہم نے اتنی محنت خود کو یاد رکھنے پر نہیں کی۔

ثمینہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہماری کوئی چیز خراب ہو جائے تو ہم اُسے ٹھیک کرواتے ہیں۔ اس مکینک کے پاس لے جاتے ہیں جو اس میں ماہر ہوتا ہے۔ اب اگر آج مسلمانوں پر زوال ہے تو اسے ٹھیک کرنے کے لئے خالق سے ہی پوچھنا پڑے گا۔ جس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی گئی اس میں کامیابی و فتح کا نسخہ بھی عطا ہوا ہے۔ کہ اگر تم فلاح پانا چاہتے ہو تو نبی کریم ﷺ کی اطاعت اختیار کرلو۔ یعنی سیدھا اور آسان نسخہ ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنا کردار درست کرے۔ لیکن یہی تو سب سے مشکل کام ہے۔ اپنے آپ کو سیدھا کرنا ہی تو مشکل ہے۔ ہم سب جانتے ہیں جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، نماز پڑھنی چاہیے، لیکن ہم سے سچ پھر کیوں نہیں بولا جاتا؟ نمازیں پڑھی نہیں جاتیں یا ان میں خشوع و خضوع نہیں ہوتا۔ ہم سے نیک بنا نہیں جاتا۔ اس مسئلے کا حل بھی خالق حقیقی سے ہی پوچھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ کامیابی اور ہمہ گیر کامیابی کا مدار تزکیہ پر رکھا۔ اس میں مرد و زن کی تخصیص نہیں رکھی گئی۔ بلکہ ہر وہ انسان جو اپنا تزکیہ کرتا ہے کامیاب ہو جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ایمان کی تصدیق کردار سے ہوتی ہے۔ عمل سے ہوتی ہے۔ اگر زبانی محبت کے دعوے ہوں اور عملاً اس کا اظہار نہ کیا جائے تو اُسے محبت نہیں کہا جائے گا۔ اللہ سے اور نبی کریم ﷺ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرنا اور عملی زندگی میں نافرمانی کرنا، ایمان کے منافی ہے۔ ایمان ترک کرنے کے مترادف ہے۔

(بقیہ صفحہ نمبر 30 پر)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○۲۲

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرّم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائٹ www.oursheikh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دارالعرفان منارہ 0543-562200

توسیع مسجد دارالعرفان منارہ

آج سے 32 سال قبل جس مسجد کا سنگ بنیاد حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے رکھا تھا آج وہ پوری دنیا کیلئے تصوف کا مرکز بن چکی ہے، یہ وہی قافلہ ہے جسے اس کے میر کارواں نے نہایت مجاہدے سے شروع کیا اور یہ رواں دواں ہے توسیع کا سنگ بنیاد

حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی نے

جمعۃ المبارک بمطابق 25 مئی 2012ء کو رکھا

مسجد دارالعرفان کے توسیعی منصوبے پر کام جاری ہے اور یہ تکمیل کے مراحل میں ہے اس کی تعمیر میں دل کھول کر حصہ لیں اور آخرت کے لئے زادِ راہ تیار کریں

مسجد کے ہال میں بیک وقت 4500 نمازیوں کی گنجائش موجود ہوگی۔

اگر کوئی ساتھی اس مسجد میں اپنے ایک مصلّی کا ہدیہ (جو تقریباً 15 ہزار روپے پاکستانی) اندازہ کیا گیا ہے جمع کروانا چاہے تو دارالعرفان مرکز یا ضلعی امراء سے رابطہ کر سکتا ہے

منجانب: مرکزی دفتر دار العرفان منارہ تحصیل کلر کہار ضلع چکوال

cautiously and fairly and zikr has to be part of the agenda. Sometimes it is possible to take out a few minutes,sometimes a couple of hours out of a schedule.Whatever we can manage we must dedicate that time to zikr of Allah-swt. Missing out or postponing zikr is not acceptable at any cost.

The Holy Quran views the concept of being righteous from a different perspective,it suggests that , one can only perform a noble act, when he or she is regularly involved in the zikr of Allah-swt's stat فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي the strength to commit virtues is only blessed when one is regular in Allah-swt's zikr. Otherwise, we may do something good but our intentions may not be pure,we may be seeking fame or worldly gains from it.

Being righteous for the sake of earning Allah's Pleasure,and His forgiveness and eternal success can only be achieved through zikr of Allah-swt. وَلَا تَكْفُرُونِ and do not be among the ungrateful, do not reject the faith and do not be among the disobedient. The strength needed to practice virtue and to refrain from disobeying Allah-swt can be achieved only with zikr Allah.

Evidently, as the darkness of evil and infidelity increased, Allah-swt stopped them with the forces of His-swt zikr. You can read the entire history of Tasawwuf(part of deen dealing with inner purification) and you will only find a few blessed people doing zikr in seclusion and in isolation away from the society. Some of my friends complain that why are you preaching this zikr to the masses and propagating it in the society? What can I say to them, is it really in my own capacity to propagate the zikr of Allah-swt? Isnt it the blessing of the Creator? We are responsible only to the extent of our names; otherwise the whole system is run by the Only One. It is indeed a great blessing upon us that we were selected for the task and were blessed with the strength of performing it.

All the members of this Order who do zikr ,are the guardians of Islam, in this hour of extreme adversities. Each person is a soldier of Islam performing the duties according to his/her capacity. This is an additional blessing upon all of us alongwith the blessing of being zakir(one who does zikr); to promote and protect the interests of Muslim Ummah.

It is a great blessing of Allah-swt that there are 57 Muslim countries in the world. If observed closely, it is evident that all these countries are situated in the territories which were conquered during the era of the Companions-rau. It cannot be attributed as an achievement to the present day Muslims; rather, it is because of the blessed Companions-rau that these territories are still under muslim rule. This is a fact proven over a span of fourteen and a half centuries that the present Muslim countries are located in those territories which were conquered in the times of Khulafa-e-Rashideen.

(To be Continued)

☆☆☆

the strength of evil increases, the power of righteousness is correspondingly increased. Elimination or disturbance of this state of equilibrium from righteousness towards evil will eventually lead to the end of the universe.

In recent times, the evil had been raised to a level of extreme by the plans hatched by the Zionist masterminds. They adultrated the Christian faith to such an extent that the belief system was totally distorted, for instance, the Jews do not eat pork because it is forbidden in their book while the whole Christianity started eating it, despite it being forbidden in the Bible. Similarly, Jewish women still wear a veil while the modesty of the Christian faith was shattered. It is noteworthy, that the last true faith was Christianity and after that the Holy Prophet-SAWS declared his-SWAS prophethood. Since that day Zionists are maligning and trying to distort the Muslim faith with an utmost obsession to pollute the thoughts, the ideologies, and the character of the Muslims. They try tirelessly to indulge Muslims in such activities where they must, knowingly or unknowingly utter lies and compel them to earn their livelihood by forbidden means. It is a fact that they have disgracefully converted many Muslim minds to a level where there is no difference between them and the Christians. They do not stop from falsehood, eating the forbidden, and running businesses based upon interest and Riba. They have opted for the same appearance and even their attire do match their Christian counterparts.

At the peak of these evils, Allah-swt blessed Hazrat jee-rua with the strength and honour of spreading Allah-swt's zikr to such an extent that those who came here to malign our people with their evil ideologies, were being pursued with the blessing and the purity of Allah-swt's zikr. Presently, by the grace of Allah-swt, people doing zikr are spread all over the world and are present in almost every country. The truth is that, it is purely the Grace of Allah-swt that He-swt propagated His-swt zikr so diversely, and we all are very fortunate to be chosen for doing this job. Therefore, you are advised not to take all these activities as a routine work; rather it is the panacea for saving and strengthening the Muslim Ummah. Anyone amongst you, who performs zikr and invites others to do it is basically putting together the dispersed building blocks of this Ummah; therefore, it is not an ordinary work. Some of us are usually unable to participate in this yearly gathering for the sake of some minor worldly matters, like sickness of a family member, but in reality, the time of zikr that was missed will never come back, therefore the deficiency could not be fulfilled at some other time. Worldly matters and responsibilities are also very important and every responsibility has to be fulfilled accordingly, but time for zikr must be managed among all these busy schedules and that is also a responsibility. Time must be managed

Translated Speech of His Eminence

Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan

Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah

Dar-ul-Irfan, Munarah

From Previous Month

يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ there is not a thing but celebrates His-swt praise; and yet ye understand not how they declare His-swt glory! [Al-Isra 17:44]. Everything which Allah-swt has created is engaged in His-swt zikr. And it was asked in the Court of the Holy Prophet-SAWS, when will the world end,, and he-SAWS had replied, حتی لا یقال اللہ اللہ until there remains the zikr of Allah-swt. When there would be nobody left in the universe to recite the name of Allah-swt, it will come to an end. All other things do zikr naturally ,however mankind is different; it has been granted the power to make choices. Man may choose to remain negligent or opt for engaging in Allah's zikr. Since mankind consciously decides about doing the zikr of Allah-swt, its importance is also highlighted, and upon this decision rests the fate of the universe and when the mankind would stop doing Allah-swt's zikr, the universe will end. It went on like this for centuries when finally Hazrat jee-rua was blessed with the opportunity to redefine and revive the exaltation of zikr in the same manner as it was in the Khair-ul-Quroon, where every believer was turned into a zakir whether it was male, female, the rich or poor, the learned or the illiterate. This quality of bestowing this blessing upon everyone, despite their status was the hallmark of Khair-ul-Quroon, and thereafter for more than thirteen centuries only selected and highly pious scholars were blessed with this task who would strive hard in isolation and away from the masses to acquire and excel in the barakat of zikr.

However, the above mentioned quality of Khair-ul-Quroon was revived by Hazrat jee-rua and made it a blessing for everyone, despite their social, literary or religious status. It was preached on the guidelines of sunnah, that all the people, whether they are at home, in the battlefield, with their parents or children, or running their businesses, they must be doing the zikr of Allah-swt in such a way that every cell of their body becomes engrossed in zikr ,from skin to the core of the heart, round the clock.

In the wide complexities of the system established by Allah-swt, it is important to know that in this world there is always equilibrium between the good and the evil, for instance, when

disposal of the Ahbab be demolished and a much larger room be built in cement. When permission was sought from Hazrat Ji rua, he agreed on the condition that all the expenses would be borne by him. When the room was complete, attention was turned to the library and it too was plastered in cement on the pretext that it would help to preserve the books from termites. However, when the turn came to redo the room next to it - Hazrat Ji rua's personal room - he forbade it strictly, "Be warned, the room adjacent is mine. My room will remain kacha (mud room, made with unbaked bricks and clay mortar) as it is ... In my opinion, it is no wisdom to build pukka (enduring, made with baked bricks and cement) buildings in this temporary world."

Hazrat Ji rua's personal room was an example of unparalleled simplicity and contentment. The roof was hatched with low slung reeds, so low that one could touch it by stretching the arm and was supported by a column made from an unshaved tree trunk. The space between the column and the wall was just big enough for a bed. In the wall at the head of the bed there was a niche which contained some books and medicines. There was no window or skylight for air or light. The area on the other side of the column was reserved for Zikr, Nawafil and Meditation with a prayer mat made from the leaves of a date palm. Often the Ahbab would present Hazrat Ji rua with prayer mats of deer skin or velvet which they brought back from Haj or Umrah. Those prayer mats would be spread over the date palm leaf prayer mat, and when their numbers grew, they would be distributed among the Ahbab. However the original date palm prayer mat remained there.

Very few Ahbab got the chance of visiting this personal roomof Hazrat Ji rua's. He rua would not allow his family members to even dust or mud-paint his room. When they recommended that, after the library, his room be also plastered with cement, he strictly refused saying, "I am temporary, let my room also remain in this temporary state."

Once Hazrat Ji rua's lady wife, speaking about Hazrat Ji rua's attachment to his room said that when he went on tours, despite every comfort accorded to him, he would long to be back in his room where he had spent most of his time in advancing on the Path towards Qurb-e Ilahi (Nearness to Allah swt). Most of his time in this room was spent in Zikr and Meditation and till his end he desired that the atmosphere of his room should not be disturbed...it should neither be dusted nor be painted with the mud brought from outside.

This room reflected Hazrat Ji rua's simplicity which was visible in every aspect of his life. Once, while setting out on a tour of Karachi, he was wearing a dress that had been mended with a patch. When his family petitioned him to change into something he replied, "Let it be, we have got this respect because of Deen and not because of dress."

(To be Continued)

knew that you would get tea here what was the need of drinking tea in the unclean place?" During the journey, these people had stopped at a roadside hotel near Chakwal to drink tea. Major Abdul Qadir had come to Chakrala, for the first time, accompanied by a curiosityabout Hazrat Ji rua, but asuch minute details about his journey were already known to HazratJirua,he required no furthe proof.

It was sometimes in the first part of 1976, that Hazrat Ji rua said to the Ahbab on their arrival in Chakrala, "It is very beneficial to visit the Shaikh at least once a month. It acts like winding the watch and restores the spiritual capacity."

The constant stream of ever increasing Ahbab to Chakrala not only created logistical problems but also encroached upon his time for writing activities, therefore in the light of Hazrat Ji rua's instruction, it was proposed to convene the Ijtema' at Chakrala on the second Sunday of every month. The Ahbab were required to arrive at Chakrala on Saturday evening and leave after the collective D'ua on Sunday morning. In this way the Ijtema' would not only serve to liaise between the members from different parts of the country, but also be the means for collective consultation about the affairs of the Silsilah and scheduling Hazrat Ji rua's upcoming Tableeghi (preaching) tours. Hazrat Ji rua liked this plan and the first monthly Ijtema of Chakrala was convened on 13-14th March 1976. However, despite this, the individual visits of the Ahbab continued. Hazrat Ji rua gave priority to this Ijtema' over all other programs and if he had to go out of Chakrala, he would leave after the Ijtema'.

Hazrat Ji rua's vast residential compound comprised of two parts, the outer compound was reserved for the Ahbab while the internal part was used for his personal residence. On the extremity of the outer courtyard there were two rooms built with stones with clay mortar, for the use of Ahbab and the vast courtyard served for their seating and also as a means of entry into the inner house.

In the outer courtyard, Hazrat Ji rua would seat himself on a simple cot knit with palm fibre strings, without any bedding or pillow and the Ahbab would sit around it on mats. Some Sathis sat on the trunk of a cut tree, which had the position of a 'sofa' in this gathering. Once a renowned personality of Hazara District and an ex Provincial Minister, Haroon Badshah came to pay his respects to Hazrat Ji rua, and he too had to sit on the same simple 'sofa'. Hazrat Ji rua removed his doubts about Tasawwuf; but the basic factor which influenced him for joining the Silsilah, he confessed later, was this charming simplicity without any pomp and show, and no consideration to anyone's social status, which is a usual feature at many conventional Sufi establishments.

A short while after the monthly Ijtema' was established at Chakrala, it was felt that more accommodation was needed for the Ahbab. Soon after sunrise it became uncomfortably hot to sit for long in the courtyard with Hazrat Ji rua. It was suggested that the larger room at the

Hayat-e-Javidan Chapter 20

A Life Eternal (Translation)

CONGREGATIONS

From Previous Month

The Monthly Ijtema' at Chakrala

A great number of Ahbab wishing to offer their Jum'ah Salah in Hazrat Ji rua's company would arrive at Chakrala on Thursdays, whereas others taking advantage of their holiday on Sunday, would arrive on Saturdays. On other days too, there was a constant flow of Ahbab wishing to present themselves before Hazrat Ji rua. In the early days it was Hazrat Ji rua's practice to do extended Zikr after Maghrib Salah in the Masjid of his locality). The visiting Ahbab tried to join Hazrat Ji rua in his Maghrib Zikr session. The south eastern corner of the Masjid had been reserved for this purpose, and for years HazratJi rua did his Zikr there alone or with the visiting Sathis. Hazrat Ji rua would say, 'Even if I am not present, doing Zikr at that place would benefit exactly as doing Zikr with me'. The author happened to do Zikr there many years after Hazrat Ji rua's passing away and he experienced the same feeling again. Hazrat Ji rua looked after the expenses and other arrangements of the Masjid and was also the Imam there.

By 1970 the numbers of the Ahbab had grown considerably and as Hazrat Ji rua did not have a servant, he would look after the Ahbab himself. As long as his daughter Umme Kulsoom was a minor, she would lend her father a hand but later on this duty was assumed by Baba Noor Muhammad. Apart from meals the Ahbab were provided bedding. Once, in winter, someone reached Chakrala at midnight and due to the severe cold spent the night trying to cover himself with a prayer mat. Next morning when Hazrat Ji rua found out he smiled and said, "This is what should happen if you arrive here at midnight in this cold weather and do not even bring a blanket with you!" Hazrat Ji rua never minded the visits of the ever increasing numbers of Ahbab, neither did it affect his affection for them; at times he even offered them Mianwali's special 'Makhaddi Halva'.

In 1976, Major Abdul Qadir - (Sitara-e Jurat) (medal for gallantry), came for the first time to pay his respects to Hazrat Ji rua along with a few Ahbab. They were offered tea by Hazrat Ji rua who strung the teacups in each finger of one hand and held the teapot in his other hand. While offering them he said, "When you

ماہنامہ المرشد

الله رسول محمد

عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللَّهُ أَخْرِجُوْا

مِنَ النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا أَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ (سنن الترمذی)

Narrated by Hazrat Anas (R.A.U), the Prophet (S.A.W.S) said that "Allah says to take out every such person from hell fire who remembered Him even for a day and who, out of His fear, abstained from His disobedience."

The outcome of the supplication to Allah (SWT) is closeness to Him (SWT). Do pray to Him, but also understand that request is a request, not an order.

Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255